اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

ترتیب

برائے ترسیلِ زر، اجراءِ رسالہ وخط وکتابت
مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82
محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

بفیضان
قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

بیاد
امام اہل سنت حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
شیخ المشائخ، امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ
مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
ترجمان اہل سنت حضرۃ مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ
شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
امین ملت حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
پاسبان مسلک احناف، شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ
محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا
وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ
حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

زیر سرپرستی
جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ
جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
شیخ الصرف والنحو، نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ
جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ

زیرنگرانی
جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت
مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی — مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا نور محمد تونسوی...... — مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء
مولانا مفتی جمیل الرحمٰن...... — مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
جناب اشتیاق احمد...... — مولانا مفتی رب نواز
مولانا ندیم الرشید...... — مولانا احمد طاہر

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاولپور
مدیر مسئول: احسن خدامی 0320-4902150
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 25......زر سالانہ: 300 روپے

پیامِ صفدر
احسن خدامی

عید غم کی نوید ہے ساقی......!

پھر عید آ رہی ہے۔عید، جو خوشیوں کا پیغام ہے، دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے غم واندوہ کا نشان بن چکی ہے۔تڑپتے لاشے، سلگتے گھر، بلکتے بچے، رستے زخم......شام ہو یا عراق، برما ہو یا فلسطین، چین ہو یا وزیرستان۔ ہر طرف آگ برساتے جہاز، خون کے پیاسے درندے، شعلے اُگلتی توپیں مسلمانوں کی تلاش میں ہیں۔جوان مردوں کا گرم خون بہہ رہا ہے، بہتا چلا جا رہا ہے۔اپنوں اور غیروں کی سنگینوں کے سائے تلے سہمے سہمے خانماں برباد لوگ بے سروسامانی اور کسمپرسی کے عالم میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔عالم کفر کے مہذب وحشی اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود اسلام اور مسلمان کو کچلنے کے لیے متحد ہو چکے ہیں۔روس، امریکہ، چین، انڈیا اور اسرائیل...... ہر ایک درندگی اور وحشت کے اس کھیل میں دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہے۔ یقیناً یہ ایک قیامت ہے......مگر اس سے بڑی قیامت......کنج عافیت میں بیٹھے ہوئے مسلمانوں کی وہ بے حسی ہے جو کسی طور ختم ہونے کو نہیں آ رہی۔لاشوں کے ڈھیر کے بیچوں بیچ بلند وبالا خوشنما محل، فریادوں اور آہ وزاریوں کے درمیان مسرتوں کے قہقہے، گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں ساز وموسیقی کی محفلیں......کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہ امت ہے جس کے بارے میں اس کے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

''المؤمنون کرجل واحد، ان اشتکیٰ عینه اشتکیٰ کله، و ان اشتکیٰ رأسه اشتکیٰ کله''

کہ تمام مؤمن ایک جسم کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے، اور اگر اس کے سر کو تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے۔جبکہ آج ملت اسلام کا یہ جسد زخموں سے چور چور ہو چکا ہے جبکہ اسی جسد کے باقی ماندہ ارکان رنگ رلیاں منانے اور دنیا کے ٹھیکرے جمع کرنے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔اپنے ہی مسلمان مظلوم بھائیوں کی خاطر اپنی دولت کے انبار میں سے چند سکے خرچ کرنا، یا ان کی مدد کی خاطر ان کے شانہ بشانہ کھڑا ہونا تو درکنار، ہم میں سے بہت سوں کو تو ان مصیبت زدوں کے لیے ہاتھ اٹھانے یا چار آنسو بہانے کی توفیق بھی حاصل نہیں۔اللہ جل شانہ ہی ہمارے حال پر رحم فرمائیں۔

فرانس میں برقع اور چین میں روزہ پر پابندی:

فرانس نے کچھ عرصہ پہلے ''حجاب'' پر جو پابندی عائد کی تھی، یورپی یونین کی ''انسانی حقوق'' کی کونسل نے بھی اس کی تائید کر دی ہے اور کہا ہے کہ یہ قانون ''انسانی حقوق'' کے منافی نہیں ہے۔اسی طرح ''چین'' کے صوبہ ''سنکیانگ'' میں چین کی حکومت نے مسلمانوں پر روزہ رکھنے پر پابندی عائد کر دی ہے اور انسانی حقوق کے

ٹھیکیداروں اور علمبرداروں کو اس ظالمانہ قانون میں بھی اعتراض والی کوئی بات نظر نہیں آئی۔

یہ بات اب کوئی راز نہیں رہی کہ عالم کفر کا ''شخصی آزادی'' کا فارمولا صرف اور صرف نفاذِ اسلام کی کوششوں کو روکنے کے لیے ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطے میں نفاذِ شریعت کے لئے سنجیدہ کوشش ہوتی ہے تو یہ دجالی کارندے چاروں طرف سے جمع ہو کر شور برپا کر دیتے ہیں کہ ''مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے''...... ''کسی کو مذہبی، شرعی قوانین پر عمل کے لیے مجبور کرنا انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے''...... ''اپنے خیالات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی''......وغیرہ وغیرہ

جبکہ دوسری طرف اگر کچھ مسلمان اپنی رضا و رغبت سے اور اپنی ذاتی زندگی میں بھی شریعت پر عمل کرنا چاہتے ہیں اور انہیں دجالی میڈیا کی خرافات، دولت و پیسہ کی چمک، نام نہاد اسلامی دانشوروں کی دانشوری اور دین پر عمل کے راستے میں کفار کی پیدا کی ہوئی جکڑ بندیاں و مجبوریاں اس راستے سے ہٹانے میں ناکام ہو جاتی ہیں تو پھر یہی تہذیب و اخلاق کے علمبردار انسانیت کا لبادہ اتار کر حیوانیت پر اتر آنے میں کوئی دیر نہیں لگاتے۔

یہ ساری صورت حال صرف اس وجہ سے ہے کہ پوری دنیا کی طاقت اور حکومت عملی طور پر انہی شیطانوں کے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے ان پر نہ کسی دلیل کا اثر ہوتا ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ طاقت کے سامنے دلیل پیش کرنا شاید دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے اور افسوس کہ اس وقت ہم اسی حماقت کو اپنی کامیابی کی کنجی سمجھے بیٹھے ہیں اور جب کفار و مشرکین ہماری بستیوں کو تاراج، شہروں کو برباد اور ملکوں کو کھنڈر کر چکتے ہیں تو ہم ائیر کنڈیشنڈ کمروں میں مضامین لکھ کر اور پر تعیش ہوٹلوں میں تقریریں جھاڑ کر ان کو غلط ''ثابت'' کر دیتے ہیں اور پھر اپنی اس ''کامیابی'' پر یوں سمجھتے ہیں کہ گویا ہم نے ساری دنیا فتح کر لی ہے اور ہمارے دلائل سے ''شرمندہ'' ہو کر ساری دنیا کے کفار ہاتھ جوڑ کر ہم سے معافی مانگنے ہی والے ہیں۔

افسوس تو اپنے آپ کو اسلامی دانشور کہلانے والی اس مخلوق پر ہوتا ہے جو چاروں طرف سے تلواروں میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو ''صرف دلائل کے ذریعے مقابلہ'' اور ''پر امن انقلاب'' وغیرہ کی لوریاں سنا کر غفلت کی نیند سلائے رکھنے کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ دلائل کی قوت و اہمیت اپنی جگہ......لیکن اگر صرف دلائل کے ذریعے اسلام کو دنیا میں نافذ کرنا ممکن ہوتا تو جناب رسول اللہ ﷺ کو قرآن جیسی دلیل کے ہوتے ہوئے تلوار اٹھانے کی ضرورت کبھی نہ پڑتی۔

جب تک عالم اسلام کی قیادت کفار کے ایجنٹوں کے ہاتھ سے نکل کر ایسے سرپھروں کے ہاتھ میں نہیں آتی جو کفار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے اور اسلام کی شوکت و عزت کی خاطر ان سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتے ہوں، یہ گھمبیر صورت حال تبدیل ہونے کے کوئی امکانات نہیں۔

کاش کہ پاکستان کی ''اسلامی'' حکومت میں بھی اتنی جرأت ہوتی کہ وہ اپنے مالی مفادات کو پس پشت ڈال کر اپنے ''جگری دوست'' چین کی اس اسلام دشمنی پر اسے کچھ کہنے کا حوصلہ رکھتی۔ ☆☆

کچھ دیر حدیث کے ساتھ

مولانا ابوالحسن بھٹی

مسند ابو حنیفہ کی ایک حدیث اور اس کی تشریح

" أبـو حـنيـفة عـن حـماد عن ابراهيم عن عبدالله عن أبی ذرانه صلی صلوة فخففها و أكثر الـركـو ع والسـجـو د فـلما انصرف قال له رجل: أنت صاحب رسول الله ﷺ وتصلی هذه الصلوة؟ فـقـال أبوذ ر: ألم أتم الركو ع و السجود؟ قا ل: بلی! قال: فإنی سمعت رسول الله ﷺ وسلم يقول: من سجد لله سجدة رفع بها درجة فی الجنة، فا حببت أن تؤ تی لی درجات أو تكتب لی درجات.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ہلکی نماز پڑھی مگر رکوع وسجدے کثرت سے کیے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہیں ایک آدمی نے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور حال یہ ہے کہ اس طرح (مختصر) نماز پڑھتے ہیں۔ ابوذرؓ نے فرمایا: کیا میں نے رکوع اور سجدوں کو پورا ادا نہیں کیا؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! (ابوذرؓ نے) فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: جو اللہ کی رضا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے اللہ اس کے بدلے جنت میں ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں، پس میں نے پسند کیا کہ مجھے بہت سے درجات عطا کیے جائیں یا (یوں فرمایا کہ) میرے لیے بہت سے درجات لکھ دیئے جائیں۔

(مسند ابو حنیفہ بر واية الحصكفی ص۴۰ حدیث نمبر۸۱)

فقہ الحدیث ......ابوذر کنیت ہے ان کا نام ''جندب'' بتا گیا ہے۔ (حاشیہ مسند ابو حنیفہ ص۴۰)

۱۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی جس نماز کا تذکرہ حدیث میں ہے وہ نفلی نماز ہے، اس سے ایک تو یہ ثابت ہے کہ انہیں نماز سے شغف تھا۔

۲۔ دوسرا یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ فرضوں اور سنتوں پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ نفل نمازیں بھی پڑھا کرتے تھے۔

۳۔ ہلکی نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ قراءت مختصر کی، یعنی قیام زیادہ لمبا نہیں کیا۔

۴۔ رکوع سجدے زیاہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی رکعتیں پڑھیں، رکعتوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے رکوع اور سجدے زیادہ ہوئے۔ نفل نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں: نمازی کے پاس مثلاً ۲۰ منٹ کا وقت ہے، ایک صورت یہ ہے کہ وہ لمبے قیام کے ساتھ ۲۰ منٹ میں دو رکعتیں پڑھے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے قیام مختصر کر کے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتا جائے اور بیس منٹ میں متعدد مثلاً ۴، ۶، ۸ نوافل ادا کرے۔ ان میں سے ہر طریقہ اپنی جگہ پسندیدہ ہے، مگر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے نزدیک دوسرا طریقہ افضل ہے جس میں

رکعتیں زیادہ سے زیادہ ہوں۔

۵۔صحابی ہونا بہت بڑا اعزاز ہے اسی اعزاز کو بتانے کے لیے آدمی نے کہا آپ تو'' رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔''

۶۔آدمی نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ صحابی ہوکر بھی اس طرح یعنی مختصر قیام والی نماز پڑھتے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام کے ذہنوں میں خواص کے متعلق اعلیٰ درجہ کے تاثرات ہوتے ہیں۔لہٰذا خواص کو بھی اپنے کردار و افعال میں عام لوگوں سے ممتاز (جدا) ہونا چاہیے۔

۷۔آدمی کو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا مختصر قیام کے ساتھ نماز پڑھنا عجیب لگا تو اُن سے سوال کر دیا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بندہ کسی میں حیرت انگیز یا قابلِ اعتراض بات دیکھے تو وہ سمجھنے کی نیت سے سوال کر سکتا ہے۔

۸۔آدمی نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے سوال کر کے تسلی بخش جواب پایا اور مطمئن ہو گیا، لہٰذا معترض (اعتراض کرنے والے) کو چاہیے کہ وہ کسی کے متعلق بدگمان ہو کر رہ جانے کی بجائے اپنا شبہ اس کے سامنے ظاہر کر کے حقیقت حال سے واقف ہونے کی کوشش کرے۔

۹۔آدمی نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ پر شبہ پیش کیا تو انہوں نے اطمینان کے ساتھ سمجھایا۔لہٰذا معترض پر غصہ ہونے کی بجائے اسے تسلی بخش جواب دے کر سمجھا دینا چاہیے۔

۱۰۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے آدمی کا سوال سُن کر اپنے اوپر ہونے والے الزام کو دفع کیا۔لہٰذا ثابت ہوا کہ انسان اپنے اوپر وارد ہونے والے الزام کا جواب دے، خاموش رہ کر سائل کے لیے مزید الجھنوں کا باعث بننا بہتر نہیں۔

۱۱۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے آدمی کے سوال پر کہا: کیا میں نے رکوع وسجدہ پورا نہیں کیا؟ مطلب یہ ہے کہ جب رکوع اور سجدے مکمل ادا کیے ہیں تو محض مختصر قیام کرنا کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

۱۲۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر کہ'' کیا میں نے رکوع وسجدہ پورا ادا نہیں کیا؟'' عقلی جواب دیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سائل کو عقلی جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔

۱۳۔آدمی نے جواب دیا: ''بلٰی'' کیوں نہیں؟ مطلب ہے کہ آپ نے رکوع وسجدہ تو پورا پورا ادا کیا ہے۔آدمی نے مختصر قیام پر اگرچہ اعتراض کیا لیکن سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ خوبی تسلیم کی ہے کہ آپ نے رکوع وسجدہ ٹھیک ٹھیک ادا کیا ہے۔اس سے ایک اہم اصول نکلتا ہے کہ اگرچہ کسی شخصیت کی کوئی بات قابلِ اعتراض ہو تو اس کی دیگر خوبیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔محلِ اعتراض چیز کو مدار بنا کر بقیہ خوبیوں کا انکار

درست نہیں ہے۔

۱۴۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے سجدہ زیادہ کرنے پر حدیث نبوی ذکر کی ہے۔ حدیث نبوی ذکر کرنے سے بہت سی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے سائل کے سامنے معقولی دلیل کے بعد منقولی دلیل پیش کی ہے۔

۱۵۔عقلی دلیل سے سائل کے اعتراض کا جواب تو اگر چہ مکمل ہو گیا تھا، لیکن منقولی دلیل (حدیث) ذکر کرنے سے اپنے عمل (زیادہ سجدوں والی نماز) کے افضل ہونے کو ثابت کر دیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے تاثر دیا کہ میرا قیام کو مختصر کر کے رکعتوں کو بڑھا دینا نہ صرف یہ کہ قابلِ اعتراض نہیں بلکہ باعثِ فضیلت بھی ہے۔

۱۶۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس مباحثہ میں حدیث نبوی کو پیش کیا، کیونکہ اختلاف کے وقت حدیث بہترین منصف (فیصلہ کرنے والی) ہوتی ہے۔

۱۷۔حدیث نبوی پیش (بلکہ اس پر عمل) کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام احادیث نبویہ کو حجت مانتے تھے، لہٰذا بعض نام نہاد دانش مندوں کا یہ کہنا کہ ''صحابہ کرام صرف قرآن مانتے تھے، حدیثوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے'' غلط اور سراسر خلافِ حقیقت ہے۔

۱۸۔حدیث نبوی سے نفل نمازوں کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر سجدہ پر جنت میں نمازی کے لیے ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے۔

☆۔درجہ بمعنی منزل ہے یعنی اگر وہ پہلے سے مثلاً تیس (۳۰) منزل والے محل کا مستحق ہے تو نفل کے ایک سجدہ کی وجہ سے اس محل کا حق دار ہو جائے گا جس کی اکتیس (۳۱) منزلیں ہوں۔ جب یہ دُعا دی جاتی ہے کہ اللہ فلاں کے درجے بلند فرمائے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اللہ اس کے لیے جنت کی منزلیں وقف کرے یعنی مزید منزلوں والا محل عطاء کرے۔

☆۔جن بزرگوں سے کثیر تعداد میں نوافل پڑھنا منقول ہے ان کی کثرتِ عبادت پر اعتراض غلط ہے انہوں نے اس جیسی حدیثوں کی بناء پر زیادہ نوافل پڑھے ہیں۔

۱۹۔حدیث میں ''اللہ کے لیے'' کی قید ہے کہ جس نے اللہ کے لیے یعنی اللہ کی رضا کے لیے سجدہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ہر سجدہ پر جنت میں درجہ بلند تب ہی ہوگا جب وہ سجدہ اللہ کی رضا کی خاطر کیا ہو، لہٰذا اخلاص سے عبادت کرنا لازم اور ریاکاری سے بچنا ضروری ہے۔

۲۰۔حدیث میں بظاہر سجدہ کرنے پر جنت میں درجہ بلند ہونے کی فضیلت ہے، مگر مراد سجدہ سے نماز ہے یعنی جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

۲۱۔ ہر سجدہ پر جنت کا درجہ بلند ہونے والی حدیث پر سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے خود عمل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کامل اور مقبول علم وہی ہے جس پر عمل ہو۔

۲۲۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول کہ ''میں نے زیادہ سجدے جنت کے درجات پانے کے لیے کیے ہیں'' سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جنت کے اعلیٰ درجات کے طلب گار تھے۔

۲۳۔ دوسرا یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ جنت کے نہ صرف زبانی طلب گار تھے بلکہ عملی طور پر کوشاں تھے، لہٰذا سچی طلب وہی ہے جس میں عملی اقدام بھی ہو۔

۲۴۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنت کے اعلی درجات پانے میں نماز (بالخصوص فرض نماز) کو بہت ہی اہمیت حاصل ہے۔

۲۵۔ روای کہتے ہیں کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے زیادہ سجدہ کرنے کی وجہ ''مجھے درجات دیئے جائیں یا یوں فرمایا کہ میرے لیے درجات لکھے جائیں'' بیان کی۔ دونوں جملوں کا مطلب ایک ہی ہے مگر راوی کو الفاظ میں شک ہوا تو اس شک کو ظاہر کر دیا۔ اس سے راوی کی ایک خوبی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کمال درجہ کے دیانت دار تھے۔ ☆☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

یہ ۱۷ھ کی بات ہے، مدینہ منورہ اور گرد ونواح میں قحط سالی نے اپنے پنجے گاڑ دیے تھے، زمین کی پشت پانی کی ایک بوند کو بھی ترسنے لگی تھی، انسانیت پیاس سے بلک رہی تھی، چرند پرند کی پیاسی نظریں بار بار بادل لانے والے رب کی طرف اٹھ رہی تھیں، زمین پر سبزہ اور شادابی نام کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ عرب کی دھرتی صدیوں سے مردہ اور بنجر ہے، اور اس میں زندگی کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دے رہے تھے، بعض لوگوں کے متوجہ کرنے سے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اٹھے اور ایک بزرگ کو منبر پر لے آئے اور انھیں دعا کرنے کی درخواست کی، ان بزرگ شخصیت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد آسمان پر بادل منڈلانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش برسنے لگی، لوگ اس بزرگ کے گرد جمع ہو گئے، ان کے جسم کو چھو رہے تھے، ان کے ہاتھوں کا بوسہ لے رہے تھے اور کہہ رہے تھے، ھنیئا لك یا ساقی الحرمین ''اے وہ شخص کہ جن کی دعاء کی برکت سے حجاز کی سرزمین سیراب ہوگئی، تمھیں مبارک ہو'' یہ وہی بزرگ ہیں جنھیں دنیا حضرت سیدنا عباسؓ کے نام نامی اور اسم گرامی سے یاد کرتی ہے۔

حضرت سیدنا عباس بن عبد المطلبؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، آپؓ کی کنیت آپ کے بیٹے فضل کے نام سے ابو الفضل تھی، آپؓ آنحضرت ﷺ سے دو برس پہلے پیدا ہوئے (حضرت عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ بڑے ہیں یا حضور ﷺ بڑے ہیں؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا ھو أکبر وأنا أسن ''حضور ﷺ ہی بڑے ہیں اور میں حضور ﷺ سے پہلے پیدا ہوا'' مرقاۃ ج ۱۱ص ۳۸۸) آپؓ کی والدہ کا نام نُتَیلہ بنت جناب تھا، ان ہی خاتون کے متعلق ابن عبد البر نے لکھا ہے: ھی أول عربیۃ کست البیت الحرام الحریر والدیباج ''عرب کی یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے کعبہ پر ریشمی اور منقش غلاف چڑھایا'' (الاستیعاب ص ۴۰۵) اس کا سبب یہ بنا کہ حضرت عباسؓ کمسنی میں گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے منت مانی کہ اگر وہ مل گئے تو میں کعبہ پر غلاف چڑھاؤں گی، چنانچہ حضرت عباسؓ مل گئے اور آپؓ کی والدہ نے اپنی منت پوری کی۔ (الاصابہ ج ۲ص ۱۰۰۰)

حضرت عباسؓ دورِ جاہلیت میں بھی قریش کے سردار تھے، مسجد حرام کی خدمات کے دو شعبے سقایہ اور عمارہ آپ کے سپرد تھے (سقایہ کا مطلب حاجیوں کو پانی وغیرہ پلانا اور عمارہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مسجد

حرام میں بدگوئی اور فحش کاموں سے روکنے کے ذمہ دار تھے اور مسجد حرام میں کوئی بھی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا)

غزوہ بدر میں حضرت عباسؓ مشرکین کی طرف سے شریک تھے اور گرفتار ہوجانے والے ستر مشرکین میں آپ بھی شامل تھے، آپ کی اور دیگر مشرکین کی رسیاں سخت کسی گئی تھیں جس کی وجہ سے آپ کراہنے لگے تھے، اس رات آنحضرت ﷺ کو نیند نہیں آرہی تھی بعض صحابہ نے وجہ پوچھی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا أسهرني أنين العباس ''عباس کے کراہنے کی آواز نے مجھے بیدار رکھا'' ایک صحابی نے اٹھ کر آپ کی رسی ڈھیلی کردی آنحضرت ﷺ نے فرمایا فافعل ذلك بالأسرى كلهم ''تمام قیدیوں کی رسیاں ڈھیلی کردو''

حضرت سیدنا عباسؓ نے فتح خیبر سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا، مگر اپنا اسلام چھپائے رکھا اور فتح مکہ سے تھوڑی دیر پہلے اپنا اسلام ظاہر کیا اور پھر غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں آنحضرت ﷺ کے شانہ بشانہ جہاد کرنے کی سعادت حاصل کی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ غزوہ بدر سے بھی پہلے مسلمان ہوچکے تھے، آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے فرمایا إن مقامك بمكة خير ''آپ کا مکہ میں رہنا ہی زیادہ مفید ہے'' اس لیے کہ وہ مشرکین مکہ کے حالات سے آنحضرت ﷺ کو باخبر رکھتے تھے، مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو ان کی وجہ سے بڑی تقویت ملتی تھی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر فرمایا تھا ''تم میں سے کسی کا عباسؓ سے آمنا سامنا ہوجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے کیونکہ انھیں زبردستی لایا گیا ہے۔'' (الاستیعاب ص ۴۰۶، اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۸۵)

غزوہ بدر میں گرفتار ہوجانے کے بعد آپ نے اپنا فدیہ بھی دیا اور اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی دیا اور رہائی پائی۔ جناب ابوطالب کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ نے غیر مسلم ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی بھرپور مدد کی، جس وقت انصارِ مدینہ نے آنحضرت ﷺ کو لے جانے کے لیے عقبہ میں آپ ﷺ سے ملاقات کی تو حضرت عباسؓ نے بھی اس میں شرکت کی اور آنحضرت ﷺ کو لے جانے کی شرائط بھی لگاتے رہے کہ اے انصار مدینہ! اگر تم میرے بھتیجے کی حفاظت کرسکو تو لے جاؤ ورنہ یہاں رہنے دو ہم خود ان کی حفاظت کریں گے، جبکہ اس وقت تک حضرت عباسؓ اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے۔

غزوۂ حنین میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کچھ دیر کے لیے مسلمان آنحضرت ﷺ سے افراتفری میں فاصلے پر ہوگئے تھے، اس موقع پر جو سات حضرات آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے ان میں ایک حضرت عباسؓ بھی تھے اور آپ نے ہی لوگوں کو آواز دے کر آنحضرت ﷺ کے گرد پھر سے جمع کردیا کیونکہ آپؓ کی

آواز خاصی بلند تھی۔(الاستیعاب ص ۴۰۵)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے میرے چچا! آپ وہیں رہیں جہاں آپ ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت ختم کردیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نبوت ختم کردی (چنانچہ آپؓ نے سب سے آخر میں ہجرت کی) اور وقت آنے پر ہجرت کرکے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور فتح مکہ میں شریک ہوئے (پھر اس روز سے) ہجرت منقطع ہوگئی۔(اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۶)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''میرے بزرگوں میں اب یہی باقی رہ گئے ہیں۔'' (ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرا مقام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام جنت میں آمنے سامنے ہوگا اور عباس بن عبد المطلب کا مقام ہم دونوں کے درمیان ہوگا (ایضا) (سبحان اللہ! حضرت عباسؓ کی رہائش جنت میں دو جلیل القدر خلیلوں کے درمیان ہوگی۔)

حضرت عباسؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر آنحضرت ﷺ کی تعزیت حضرت عباسؓ سے ہی کی جاتی تھی کیونکہ یہ آنحضرت ﷺ کے سب سے قریبی عصبہ تھے۔(ایضا)

حضرت سیدنا عباسؓ جب اسلام کے اعزاز سے شرف یاب ہوگئے تو حضور ﷺ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا ھذا عمی وصنو أبی ''یہ میرے چچا ہیں اور میرے والد کی جگہ ہیں۔'' (الاستیعاب ص ۴۰۶) ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ھذا العباس بن عبد المطلب أجود قریش کفا وأوصلھا رحما ''یہ عباس بن عبد المطلب ہیں، قریش میں سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی اور قریبیوں سے حسن سلوک کرنے والے ہیں۔'' (ایضا بحوالہ البدایہ والنھایہ)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اللھم اغفر للعباس وولدہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لاتغادر ذنبا، اللھم احفظہ فی ولدہ (ترمذی شریف بحوالہ مشکوۃ شریف) ''اے اللہ! عباس کی اور اس کی اولاد کی مغفرت فرما ظاہری لغزشوں کی بھی اور باطنی عیوب کی بھی ایسی مغفرت جو کوئی گناہ نہ چھوڑے۔اے اللہ! ان کی اور ان کی اولاد کی حفاظت فرما۔''

ابن اثیر نے نقل کیا ہے کہ حضرت عباسؓ کا گذر جب بھی حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ سے ہوتا تھا اور وہ دونوں حضرات سواری پر ہوتے تھے تو حضرت عباسؓ کے احترام میں سواری سے اتر جاتے تھے۔(ایضا)

۱۷ھ میں مدینہ منورہ میں سخت قحط آیا، حضرت کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا اے امیر المؤمنین! جب بنی اسرائیل قحط کی زد میں آتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کے قریبی رشتہ داروں کے وسیلے سے بارش مانگتے ہیں، حضرت سیدنا عمر فاروقؓ نے حضرت سیدنا عباسؓ کے متعلق فرمایا ھذا عم رسول اللہ ﷺ وصنو

أبيـه وسيـد بنـي هـاشم ''یہ حضور ﷺ کے چچا، آپ کے والد کی جگہ اور بنو ہاشم کے سردار ہیں۔'' چنانچہ حضرت سیدنا عباسؓ منبر پر تشریف لائے اور دعاء فرمائی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد ہی موسلا دھار بارش برسی اور قحط زدہ سرزمین سرسبز وشاداب ہوگئی۔ اسی کے متعلق حضرت سیدنا حسان بن ثابتؓ نے ایک قصیدہ لکھا جس کے دوشعر ملاحظہ ہوں ؎

سال الإمام وقد تتابع جدبنا   فسقى الغمام بغرة العباس

أحيا الإله به البلاد فأصبحت   مخضرة الأجناب بعد اليأس

''امام (حضرت عمرؓ) نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جبکہ ہم پر مسلسل اور پے در پے قحط پڑ رہا تھا حضرت عباسؓ کے روئے اقدس کی برکت سے بارش برسی، اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے شہروں کو ہرا بھرا کردیا پس ہر طرف شادابی نظر آنے لگی بعد اس کے کہ لوگ مایوس ہوگئے تھے۔ (الاستیعاب ص ۴۰۷)

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: من آذى العباس فقد آذاني فانما عم الرجل صنو أبيه ''اور جس نے عباسؓ کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف دی اس لیے کہ چچا باپ کی جگہ ہوتا ہے''۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۱۰۰۰ بحوالہ ترمذی شریف)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: والصحابة يعترفون للعباس بفضله ويشاورونه ويأخذون رأيه ''صحابہ کرام حضرت عباسؓ کی عظمت وشرف کا اعتراف کرتے تھے، ان سے مشورہ کرتے تھے اور ان کی رائے کو قبول کرتے تھے۔'' (بحوالہ ایضا)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر جب ہم نے حضرت عباس کو کپڑے پہنانا چاہے تو انھیں عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کے علاوہ کسی کا کرتہ پورا نہیں آتا تھا (کیونکہ حضرت عباسؓ دراز قد اور خوبصورت رنگت کے مالک تھے) چنانچہ آپؓ کو عبداللہ بن ابی کا کرتہ پہنایا گیا (یہی وجہ ہے کہ اس احسان کا بدلہ چکانے کیلئے آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی موت کے وقت اس کے کفن کیلئے اپنی چادر عنایت فرمادی تھی۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۵)

حضرت عباسؓ کا انتقال ۱۲ رجب بروز جمعۃ المبارک ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۸۸ سال تھی، حضرت سیدنا عثمان غنیؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی آپؓ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کی قبر میں تدفین کے لیے اترے۔ (الاستیعاب ص ۴۰۸)

آپؓ کے بیٹیوں کے علاوہ دس بیٹے تھے (۱) فضل (۲) عبداللہ (۳) قثم (۴) عبیداللہ (۵) عبدالرحمٰن (۶) معبد (۷) حارث (۸) کثیر (۹) عون (۱۰) تمام۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸۷) ☆☆

حافظ محمد اسامہ مکی

اربابِ ''الشریعہ'' کی خدمت میں!

......قسط نمبر ا......

برادرانِ اہل السنۃ والجماعۃ! ماہ نامہ ''الشریعہ'' کی اشاعت خاص بالخصوص ارباب الشریعہ کے مضامین پڑھ کر دلی افسوس اور رنج ہوا۔ اگر ارباب الشریعہ اپنے دعویٰ کے مطابق انصاف وسچائی کے ساتھ اپنا موقف پیش فرماتے، اس پر دلائل قائم فرماتے، معترضین کے اعتراضات کے سنجیدہ جوابات دیتے تو اُن سے اُصولی گفتگو کی جاسکتی کہ آنجناب کا طرزِ عمل اور آزاد فورم کا سلسلہ مذہب اہل سنت، مسلک احناف اور مشرب دیوبند سے وابستہ امت مسلمہ بالخصوص مسلمانان پاکستان کے لیے کس قدر نقصان دہ اور خطرناک ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ارباب الشریعہ آج تک اسلوب ولب ولہجہ اور انداز وطرز کے حوالے سے جو دعوے کرتے چلے آئے، اس کی پاسداری نہ پہلے اُن سے ہوسکی اور نہ اب انہوں نے اس کا خیال کیا۔ چنانچہ اس اشاعت خاص میں بھی انصاف کا خون کیا گیا، سچائی کو پس پشت ڈال دیا گیا، اپنے موقف پہ صحیح دلائل کے قیام کی بجائے خلط مبحث سے کام لیا گیا، معترضین کے اعتراضات کے جواب میں بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا۔ اور سب سے افسوسناک اور خطرناک ترین بات یہ کہ (العیاذ باللہ تعالیٰ) حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کو بری طرح مجروح اور داغدار کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔ اور ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ اپنے اس فعل مذموم کا الزام دوسروں پہ دھر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے بادل نخواستہ قلم اٹھانا پڑا۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ہم سب کو دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ صراطِ مستقیم کی پیروی نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین

برادرِ محترم جناب عمار خان صاحب کا معاملہ انتہائی خطرناک اور گھمبیر ہوتا جارہا ہے، وہ کئی مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر اس مرحلے پہ پہنچ چکے ہیں کہ ارباب الشریعہ کے علاوہ اُن کے اپنے وپرائے سب ہی اُن کو ''گمراہ'' اور ''ضال ومضل'' سمجھتے اور قرار دیتے ہیں۔ قارئین اگر ابتدا سے اُن کے اس فکری سفر کا جائزہ لیں تو ان شاء اللہ حقیقت تک رسائی میں سہولت رہے گی۔ وہ خود ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''سوال: آپ کے اندر یہ جو مختلف رجحان اور فکر آئی، یہ کہاں سے آئی؟

عمار ناصر: دیکھیں، مدارس کے سسٹم میں اس کا پورا اہتمام ہوتا ہے کہ آپ کا ذہن ایک خاص سوچ کے دائرے میں محدود ہوجائے، لیکن ایسا تو نہیں ہے کہ آپ کسی بند کنویں میں رہتے ہیں۔ رہتے تو

آپ دنیا میں ہی ہیں اور دیکھتے سنتے ہیں کہ ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ ذاتی طور پر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے اپنے گھر کا جو ماحول ہے، وہ تھوڑا سا مختلف ہے۔ میرے والد کا جو اندازِ نظر ہے اور ان میں جو ایک وسعت فکر ہے، اِس میں اُس کا بڑا کردار ہے۔......اُن کے اپنے نہایت گہرے ذاتی دوستوں میں ایسے لوگ شامل رہے ہیں جنھیں عام طور پہ مذہب دشمن اور **Leftist** سمجھا جاتا ہے۔ تو والد صاحب کا اپنا زاویہ نظر بڑا وسیع ہے اور انھوں نے ہمارے یعنی بچوں کے معاملے میں بھی کبھی فکری جبر کی یا کوئی خاص نقطہ نظر ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔'' [الشریعہ، مارچ ۲۰۱۳ء]

لیجیے! جناب عمار خان صاحب کی مختلف فکر اور رجحان کو انٹرویو لینے والے نے بھی محسوس کیا اور اس بارے پوچھا تو عمار خان صاحب خود فرما رہے ہیں کہ:

۱۔ مدارس میں اس بات کا اہتمام ہوتا ہے کہ طلباء اپنے اکابر کے مسلک کے پابند رہیں۔

۲۔ لیکن یہ بند کنویں میں رہنے والی بات ہے۔

۳۔ عمار خان صاحب کے گھر کا ماحول عام دیوبندی ماحول سے قدرے مختلف ہے۔

۴۔ اور اِس کی وجہ اُن کے والد مکرم کا اندازِ نظر اور وسعتِ فکر ہے۔

۵۔ اُن کی آزاد فکری میں اُن کے والد محترم کے اندازِ نظر کا بہت بڑا کردار ہے۔

۶۔ اُن کے والد صاحب کے نہایت گہرے ذاتی دوستوں میں مذہب دشمن لوگ شامل رہے ہیں۔

۷۔ اُن کے والد مکرم نے اپنے بچوں پر فکری جبر یا بالفاظ دیگر مذہب اہل سنت، مسلک احناف اور مشرب دیوبند کی حدود و قیود کی پابندی کی کوئی کوشش نہیں کی۔

جبکہ حضرت امام اہل سنتؒ کا اِس سلسلہ میں طرزِ عمل کیا تھا؟ اُنھی کے صاحبزادہ کی زبانی سنیے! محقق اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''خاندان صفدریہ کا ہر وہ فرد جو حضرت شیخؒ کے ایام صحت وتندرستی کے معمولات سے باخبر ہے، وہ اِس بات کی شہادت دے گا کہ حضرت شیخؒ اپنے بچوں کی اعتقادی واخلاقی تربیت واصلاح میں بہت سخت گیر تھے اور اِس معاملہ میں اُن کے اندر نرمی کا کوئی گوشہ نہ تھا۔ سب بچوں کی ڈاڑھیوں کو چیک کرنا، جس پر ڈاڑھی کٹانے کا شبہ ہو، اُسے سخت سزا دینا، ہر جمعہ کو اپنے ہاتھوں سے سب کے ناخن کاٹنا، ناخن بڑھے ہوئے دیکھ کر سزا دینا، مہینہ میں کم از کم ایک بار سب کی حجامتیں اپنی نگرانی میں بنوانا گویا اُن کی ڈیوٹی کا حصہ تھا۔ اُن کی تمام اولاد کے اندر مسلکی پختگی اور اسلاف کی تحقیقات پر غیر متزلزل یقین اور اعتماد ان کی اِسی سخت نگرانی وشدت کا نتیجہ ہے۔

صحت کے دور میں سب بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے کر جانا، نماز کے بعد اُن کو صفوں میں چیک کرنا،

پہلی رکعت چھوڑنے کی صورت میں سزا دینا، نماز کے اندر سستی اور تعلیم واسباق کے اندر غفلت برتنے والوں کی پٹائی کرنا ان کا مستقل معمول تھا اور خاندان صفدریہ کا ہر فرد اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ بچپن میں تمام بچوں پر دیوبندی کتب ورسائل کے علاوہ باقی مذاہب ومسالک اور فرقوں کی کتب اور رسائل کا مطالعہ کرنے پر سخت پابندی تھی۔ حضرت شیخؒ کے پاس قادیانی، روافض، منکرین حدیث، اہل حدیث اور بریلوی وغیرہ تمام مکتب فکر کے رسائل آتے تھے، لیکن سب بچوں کو ان میں سے دیوبندی مکتب فکر کے رسائل (بینات، البلاغ، الفرقان، الحق، ترجمان اسلام اور خدام الدین وغیرہ) کے علاوہ کوئی رسالہ پڑھنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ یہ واردات اگر کسی نے کرنا ہوتی تو انتہائی خفیہ اور غیر محسوس طریقہ سے کرتا۔ متعدد بار اِس معاملہ میں میری اور بھائی جان محمد اشرف خان ماجد مرحوم کی پٹائی بھی ہوئی۔ حضرت شیخؒ کی طرف سے اِس پابندی وسختی کے خوش کن اور دوررَس اثرات اُس وقت بہت نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آئے جب ہم نے فکری واعتقادی میدان میں عملی جدوجہد کے لیے قدم رکھا۔

صرف بچوں کی نہیں بلکہ مریدین وتلامذہ کی اصلاح وتربیت کے لیے بھی وہ کافی حد تک سختی سے کام لیتے تھے اور انہیں قدم قدم پر اسلاف کی تحقیقات سے جڑے رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ایک بار اُن کے ایک مرید نے، جو ہائی سکول میں ٹیچر تھے اور سیالکوٹ یا پسرور سے اکثر حضرت شیخؒ کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے، چند غیر مسلکی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت چاہی تو حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ ''میرے نزدیک ایسے آدمی کے لیے جو اپنے مسلکی عقائد ونظریات اور ان کے دلائل سے پوری طرح واقف نہ ہو، کسی دوسرے مذہب ومسلک کی کتب ورسائل کا مطالعہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو اردو ادبیت کی چاشنی اور عقلی دلائل کی چکر بازیوں سے لبریز ہیں اور ان کی وجہ سے آدمی کا نقلی دلائل پر سے اعتماد ختم یا کمزور ہو جاتا ہے۔'' ماسٹر صاحب نے اپنی مسلکی پختگی کا پورا یقین دلاتے ہوئے اجازت پر اصرار کیا۔ میرے لیے یہ بات باعث حیرت تھی کہ وہ اجازت کیوں طلب کرتے ہیں اور پھر اجازت حاصل کرنے پر مصر کیوں ہیں؟ لیکن پوچھنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سرسید احمد خان کی ''تفسیرات احمدیہ'' اور ''خطبات احمدیہ'' اور مولوی محمد علی لاہوری کی ''بیان القرآن'' پڑھنے کی اجازت مانگی تھی۔ ان کے شدید اصرار پر حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اگر ان کتب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہتے ہو تو پھر ان سے پہلے مولانا عبد الحق حقانی دہلوی کی ''تفسیر حقانی''، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر ''معارف القرآن'' اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ''سیرت النبی'' جلد ۳، ۴ کا مطالعہ کریں۔ جب وہ حضرت شیخؒ سے ملاقات کے بعد واپسی کے لیے باہر نکلے تو میں نے ذہن کے اندر مچلنے والا سوال ان پر داغ دیا جس پر انہوں نے یہ عجیب انکشاف کیا کہ میرا گزشتہ پندرہ سال سے حضرت شیخؒ کے ساتھ تعلق ہے اور میں ہر قسم کی علمی وروحانی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ جب بھی میرا کوئی دوست مجھے کوئی ایسی کتاب پڑھنے کے

لیے دیتا ہے جو میرے مسلک کی نہ ہو تو میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں اور ان سے اس کتاب کے پڑھنے کی اجازت مانگتا ہوں۔ حضرت شیخؒ ہر بار یہی جملہ فرماتے ہیں کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ جائز نہیں۔ میں ہر بار اصرار کرتا ہوں تو حضرت شیخؒ اجازت دے دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کا توڑ بھی بتا دیتے ہیں۔ اس طرح زہر کے ساتھ تریاق بھی مل جاتا ہے۔ میں نے تعجب کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ اپنے دوستوں سے ایسی کتابیں مطالعہ کے لیے لیتے کیوں ہیں؟ تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ میں بھی تو ان کو اپنے مسلک کی اور حضرت شیخؒ کی کتابیں پڑھنے کے لیے دیتا ہوں۔ اگر میں ان سے پڑھنے کے لیے کتاب نہ لوں (جو وہ دے رہے ہیں) تو وہ مجھ سے کتاب کیسے لیں گے؟ اور دوسرا فائدہ مجھے یہ ہو جاتا ہے کہ جو کتابیں میرے دوست مجھے دیتے ہیں، میں ان کو وہ کتابیں پڑھنے کے لیے دے دیتا ہوں جو حضرت شیخؒ مجھے ان کے توڑ کے لیے بتاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضرت شیخؒ کی خصوصی شفقت وتوجہ سے کئی ایسے دوستوں کو راہ راست پر لا چکا ہوں جو مختلف فتنوں کا شکار ہو چکے تھے۔

اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ کا انداز تربیت کیا تھا اور وہ کس انداز سے اپنے مریدین اور تلامذہ کو اسلافؒ کی تحقیقات سے جوڑے رکھتے تھے۔'' [مجلّہ صفدر، ش:۴]

صاحبزادۂ امام اہل سنت کا حاصل کلام یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت امام اہل سنتؒ اپنے بچوں کی اعتقادی واخلاقی تربیت واصلاح میں بہت سخت گیر تھے اور اِس معاملہ میں اُن کے اندر نرمی کا کوئی گوشہ نہ تھا۔

۲۔ اُن کی اولاد کے اندر مسلکی پختگی اور اسلاف کی تحقیقات پر غیر متزلزل یقین اور اعتماد اُن کی اِسی سخت نگرانی وشدت کا نتیجہ ہے۔

۳۔ بچپن میں حضرت امام اہل سنتؒ کی طرف سے تمام بچوں پر دیوبندی کتب ورسائل کے علاوہ باقی مذاہب ومسالک اور فرقوں کی کتب اور رسائل کا مطالعہ کرنے پر سخت پابندی تھی۔

۴۔ حضرتؒ کی طرف سے اِس پابندی وسختی کے خوش کن اور دوررَس اثرات اُس وقت بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے جب اُن کی اولاد نے فکری واعتقادی میدان میں عملی جدوجہد کے لیے قدم رکھا۔

۵۔ صرف بچوں کی نہیں بلکہ مریدین وتلامذہ کی اصلاح وتربیت کے لیے بھی وہ کافی حد تک سختی سے کام لیتے تھے اور انہیں قدم قدم پر اسلاف کی تحقیقات سے جڑے رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

۶۔ حضرت امام اہل سنتؒ کے نزدیک ایسے آدمی کے لیے جو اپنے مسلکی عقائد ونظریات اور اُن کے دلائل سے پوری طرح واقف نہ ہو، کسی دوسرے مذہب ومسلک کی کتب ورسائل کا مطالعہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان کی وجہ سے آدمی کا نقلی دلائل پر سے اعتماد ختم یا کمزور ہو جاتا ہے۔

۷۔مریدین پر اِس پابندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف وہ خود گمراہ ہونے سے محفوظ رہے بلکہ بہت سے لوگ جو مختلف فتنوں کا شکار تھے، اُن کی فکری واعتقادی اصلاح کا ذریعہ بنے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل کیا تھا؟ اور اُس کے خوش کن نتائج کیا ہیں؟ جبکہ جناب عمار خان صاحب کے والدِ گرامی کا طرز کیا تھا، اور ہے؟ عمار خان صاحب کی زبانی ہی سنیے! مزید لکھتے ہیں:

''میں نے اپنے تعلیمی دور کا زیادہ تر حصہ اپنے والد کے پاس اور اپنے گھر سے متصل مدرسہ انوار العلوم میں گزارا ہے۔ عام طور پر کسی بھی مذہبی طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ اپنے بچوں کو ایک خاص نوعیت کے مسلکی رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں، لیکن میرے ساتھ یہ نہیں ہوا۔ مجھے بچپن سے ہر طرح کی چیزیں پڑھنے کی آزادی حاصل تھی، حتیٰ کہ دس بارہ سال کی عمر میں مجھے بائبل کا مطالعہ کرنے کی بھی آزادی تھی۔ مجھے اس زمانے میں یہ معلوم کرنے میں دلچسپی پیدا ہوئی کہ یہودیت اور مسیحیت، یہ کیسے مذاہب ہیں اور بائبل میں کیا لکھا ہوا ہے۔ میں مسیحی لٹریچر منگوا کر پڑھتا تھا اور انارکلی لاہور میں مسیحی اشاعت خانہ جا کر وہاں سے کتابیں لے کر آتا تھا۔ اس میں مجھ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ اسی طرح ہمارے ہاں ہر طرح کی مذہبی اور سیاسی سوچ رکھنے والے لوگ اور مختلف مکاتب فکر کے رسائل وجرائد آتے تھے۔ اس طرح مجھے بچپن سے ہی اس کا موقع ملا کہ میں مختلف قسم کی چیزیں پڑھوں۔ میرے خیال میں اس ماحول کا کافی اثر ہوا۔'' [ایضا]

عمار خان صاحب کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔عمار خان صاحب کے تعلیمی دور کا زیادہ تر حصہ اُن کے والد گرامی کے پاس گزرا۔

۲۔اُن کے والد محترم نے اُن کو دیوبندی مسلک میں رنگنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

۳۔اُن کو والد مکرم کی طرف سے بچپن ہی سے ''ہر طرح'' کی چیزیں پڑھنے کی اجازت تھی۔

۴۔وہ دس بارہ سال کی عمر سے بائبل کے مطالعہ میں لگ گئے۔

۵۔اسی عمر میں وہ مسیحی لٹریچر باقاعدہ منگوا کر اور خود لا کر پڑھتے رہے۔

۶۔بچپن ہی سے مختلف مکاتب فکر کے رسائل وجرائد بھی اُن کے زیرِ مطالعہ رہے۔

۷۔اُن کی آزاد خیالی میں اِن چیزوں کا بہت اثر ہے۔

یہ تو تھا جناب عمار خان صاحب کے بچپن میں اُن کے والد مکرم کی طرف سے میسر کردہ ماحول اور اس کی بعض تفصیلات۔ اب اِس کے نتائج کی طرف آتے ہیں، جناب عمار خان صاحب سے ہی سنیے، غامدی صاحب سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''میرا اُن سے تعارف تو غالباً ۱۹۹۰ء میں اُن کے رسالے کے ذریعے سے ہوا تھا۔ اُن کا رسالہ ہمارے پاس آتا تھا۔ میں اُن کی لکھی ہوئی چیزیں پڑھتا رہا، لیکن ۲۰۰۱ء یا ۲۰۰۲ء تک زیادہ ملاقاتیں نہیں ہوئیں۔ اس دوران میں کوئی پانچ سات ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔ البتہ میں اُن کے نتائج فکر پہ خاصا غور کرتا رہا اور بہت سی باتوں نے مجھے اپیل بھی کیا۔ ۲۰۰۲ء کے بعد میں ان کے ادارے کے ساتھ وابستہ ہوا اور اُن کی جو علمی مجالس ہیں، ان میں شرکت کرتا رہا۔ اُن کے ساتھ اور اُن کے ادارے 'المورد' کے رفقا کے ساتھ میرا بہت اچھا اور بڑی محبت کا تعلق ہے۔ میں نے اُن سے بہت کچھ سیکھا ہے۔'' [ایضاً]

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ غامدی صاحب کا تعارف عمار خان صاحب کو غامدی صاحب کے رسالہ کے ذریعے ہوا۔

۲۔ وہ اُن کی لکھی ہوئی چیزیں پڑھتے رہے اور نتائج پہ غور وفکر کرتے رہے۔

۳۔ غامدی صاحب کی ''بہت سی'' باتوں نے اُن کو اپیل بھی کیا۔

۴۔ پھر وہ ان کے ادارے کے ساتھ مستقل (باتنخواہ) وابستہ ہوئے۔

۵۔ اُن کی ''علمی مجالس'' میں شرکت کرتے رہے۔

۶۔ اُن کے ساتھ اور اُن کے رفقاء کے ساتھ بہت اچھا اور ''محبت'' کا تعلق ہے۔

۷۔ عمار صاحب نے اُن سے ''بہت کچھ'' سیکھا۔

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی وہ کون سی ''علمی'' باتیں تھیں جنھوں نے عمار خان صاحب کے دماغ کو اپیل کیا۔ اور جن کی خاطر عمار خان صاحب غامدی صاحب کی زلفوں کے اسیر ہوئے؟ مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم لکھتے ہیں:

''آزاد غور وفکر کے لیے عمار خان کو جاوید غامدی کی شاگردی اختیار کرنا پڑی۔ ظاہر ہے کہ آزادانہ غور وفکر کے لیے ایسے لوگوں کی شاگردی ضروری ہے جو غور وفکر میں آزاد ہیں اور اصول وفروع ایجاد کرنے میں ائمہ مجتہدین کے اصول کے پابند نہیں۔'' [نیا اسلام، ص:۸]

ہمارے خیال میں عمار خان صاحب کی ''آزاد فکری'' اور دوسرے لفظوں میں ''گمراہی'' کی بنیادی وجہ کافی صاف ہو کر قارئین کے سامنے آ چکی ہے۔ اور اس کے نتائج پر بھی کچھ روشنی انہی کے قلم سے ہو چکی۔ ایک اور نمونہ پیش کر کے ہم آگے چلتے ہیں۔ عمار خان صاحب لکھتے ہیں:

''میرے اپنے سوچنے کے انداز میں اور غور وفکر کے طریقے میں جو development ہوئی ہے، اس کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کسی ایک خاص اسکول آف تھاٹ کا پابند ہو کر رہنا، یہ ''علمی طور'' پر کوئی مثبت چیز ہے۔ میں نے مختلف فکری دھاروں سے چیزیں سیکھی ہیں۔ مولانا مودودی سے بھی بہت کچھ

سیکھا ہے۔ جاوید احمد غامدی صاحب میرے استاذ بھی ہیں، اُن سے بہت کچھ سیکھا ہے۔'' [ایضا]

گزشتہ ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ:

۱۔ عمار خان صاحب کی آزاد فکری میں اُن کے والد مکرم اور دیگر مذاہب و مکاتب فکر کی تحریرات کا بہت بڑا کردار ہے۔

۲۔ اُن کے والد نے اُن کو دیوبندی مسلک کا پابند بنانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔

۳۔ عمار خان صاحب کے نزدیک کسی مسلک کا پابند ہونا کنویں میں بند رہنے کے مترادف ہے۔

۴۔ غامدی صاحب اور مودودی صاحب سے انہوں نے ''بہت کچھ'' سیکھا۔

(جبکہ حضرت امام اہل سنتؒ کے خاندان کا فرد ہونے کے باوجود اُن سے کچھ نہ سیکھ سکے۔)

۵۔ آزادنہ غور وفکر کے لیے انھوں نے غامدی صاحب کے ساتھ وابستگی اختیار کی۔

۶۔ اُن کے نزدیک کسی خاص مسلک (دیوبندیت) کا پابند رہنا علمی طور پر کوئی مثبت چیز نہیں۔

جبکہ اس کے برعکس:

۱۔ حضرت امام اہل سنتؒ نے اپنی اولاد اور مریدین کو اپنے اکابر کے مسلک حقہ کا پابند رکھنے کی بھرپور کوشش اور اُن کی کڑی نگرانی کی۔

۲۔ انھوں نے اپنی اولاد کو بچپن میں اور عام مریدین و متعلقین کو دیگر مکاتب فکر کے رسائل پڑھنے کی اجازت بالکل نہیں دی۔

۳۔ اُن کے نزدیک اکابر کی اتباع اور پیروی میں ہی نجات دارین ہے۔

۴۔ اُن کے نزدیک جو شخص اپنے مسلک کے عقائد ونظریات اور اُن کے دلائل سے پوری طرح واقفیت نہ رکھتا ہو، اس کے لیے دوسرے مسلک کی کتب ورسائل پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔

اس تمام صورت حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قارئین خود اس بات کا فیصلہ بآسانی کر سکتے ہیں کہ جناب عمار خان صاحب کے والدِ گرامی کا طرزِ عمل اِس بارے میں حضرت امام اہل سنتؒ کے طرزِ عمل سے کتنا ہم آہنگ ہے۔ ہمیں اِس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ عیاں راچہ بیاں

اس کے بعد ہم آتے ہیں عمار خان صاحب کی فکری آزادی کے اظہار کی طرف کہ کب اور کیسے انھوں نے اپنی ''آزاد فکری'' کو ظاہر کیا۔ حضرت امام اہل سنتؒ کے زمانۂ صحت میں اُن کا طرز کیا رہا، حضرتؒ کے زمانۂ علالت میں جب کہ حضرتؒ مطالعہ سے عاجز ہو چکے تھے، تب عمار خان صاحب نے کیا رُخ اختیار کیا اور حضرتؒ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد کس قسم کے ''کارنامے'' سرانجام دیئے۔

ہماری معلومات کی حد تک بالکل ابتدائی مرحلے میں جناب برادرم عمار خان صاحب نے ایک فروعی مسئلے میں اکابر کی تحقیقات کے خلاف ایک رائے پیش کی اور اسے الشریعہ میں شائع کیا۔ یہ غالباً ایک ''ٹیسٹ کیس'' تھا اور وہ اس کا ردِ عمل دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور جناب عمار خان صاحب کو سمجھایا، اُنہوں نے ''کمال تابعداری'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس ایک مسئلہ کی وضاحت تو کردی، لیکن اپنی روِش کو ترک نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے ایک جملے میں زندگی بھر کے لیے اُن کو ہدایت فرما دی تھی کہ:

''تم نے بعض ایسی باتیں لکھی ہیں جو ہمارے بزرگوں کی تحقیق کے خلاف ہیں، جبکہ ان کی تحقیقات حد درجہ غور و فکر اور احتیاط پر مبنی ہوتی ہیں۔ اور ان کے علم و فہم کے مقابلے میں میرے اور تمہارے علم یا رائے اور قیاس کی کوئی حیثیت نہیں۔'' [مجلّہ صفدر، ش: ۳۸، ص: ۱۰]

اگر برادرم جناب عمار خان صاحب دل و جان سے اُن کی اِس نصیحت کو پلے باندھ لیتے تو دنیا و آخرت کی سرخروئی اُن کا مقدر ہوتی، لیکن انہوں نے تو اُس وقت بھی اِسے قبول نہیں کیا تھا چہ جائے کہ بعد میں کرتے، کیونکہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کی آزادانہ سوچ و فکر کی باتیں اُن کے دماغ کو اپیل کر چکی تھیں، اس لیے حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی ''کنویں میں بند رہنے والی'' اور ''علمی طور پر غیر مثبت'' باتیں اُن کے دماغ کو اپیل نہ کر سکیں، چنانچہ انہوں نے صرف حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے ''احترام'' میں آئندہ شمارے میں وضاحت کر دی تھی اور بس، چنانچہ لکھتے ہیں:

''اباجی نے اس نوعیت کی چند مزید باتیں بھی ارشاد فرمائیں۔ <u>اُن کی باتیں دماغ کو جتنا اپیل کر سکتی تھیں، اتنا ہی کیا</u>، لیکن ان کے محبت و شفقت میں ڈوبے ہوئے لہجے نے، سچی بات یہ ہے کہ دل کو جیسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میرا ان سے بحث کرنے کا پہلے بھی ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا اور زیرِ بحث مسائل بھی بالکل جزوی اور فروعی نوعیت کے تھے، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ آپ جن باتوں کو غلط سمجھتے ہیں ان کی نشان دہی کر دیں، میں ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں وضاحت کر دوں گا۔'' [ایضاً]

لہٰذا آئندہ شمارے میں وضاحت کر دی گئی لیکن حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی اصل نصیحت (اکابر کی تحقیقات سے ہٹ کر باتیں لکھنے سے گریز کرنے) کو پسِ پشت ڈال دیا گیا۔ البتہ اتنا ضرور کیا کہ اُن کی حیات و صحت کے زمانہ میں ''احتیاط'' برتی گئی کہ کہیں پھر حضرت امام اہل سنتؒ کے احترام میں کسی شمارے میں وضاحت نہ کرنی پڑ جائے۔ لیکن جب حضرت رحمہ اللہ بسترِ علالت پہ تھے اور مطالعہ و تحقیق و تصنیف سے اُن کا رشتہ کٹ چکا تھا تب اس بات کا یقین کر لینے کے بعد کہ اب وہ مطالعہ کے قابل نہیں رہے، پھر سے وہی کنویں سے باہر نکلنے کی رَوِش شروع ہوگئی۔

رہا یہ کہنا کہ ''حضرت امام اہل سنتؒ آخر تک باقاعدگی سے 'الشریعہ' سنتے رہے'' بالکل غلط ہے، حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے پوتے حمزہ بھائی نے ہمیں بتایا کہ:

''اُن (حضرت امام اہل سنتؒ) کے زمانۂ علالت میں بندہ خود ایک عرصہ تک اُن کی خدمت میں رہا، روزانہ اسلام اخبار بھی سناتا تھا، اکابرِ اہل سنت کی دیگر کتب بھی، لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی انہوں نے الشریعہ سنانے کا کہا ہو یا فرمائش کی ہو۔''

اسی طرح حضرت امام اہل سنتؒ کے ایک اور خادم سے ہم نے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ:

''پانچ سال میں حضرت کی خدمت میں رہا، مختلف کتب مجھ سے سنتے رہے، کبھی بھی انہوں نے مجھے نہیں فرمایا کہ: الشریعہ سنادو!''۔

ہم نے برادرم مولانا احسن خدامی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسی قسم کا جواب دیا۔

البتہ بعض احباب کی زبانی حضرت رحمہ اللہ کو برادرم عمار خان صاحب کی اکابر کی تحقیقات کے خلاف بعض باتوں کا علم ہوا تو انہوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہم کو فرمایا:

''یہ ناصر کس طرف چل نکلا ہے؟ تم اسے روکتے کیوں نہیں؟ تم تو اس کے استاد بھی ہو۔ اس کو سختی سے روکو۔''

بلکہ حمزہ بھائی کا کہنا ہے کہ:

''ایک دفعہ تو بندہ عاجز کے سامنے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے عم محترم مولانا قارن مدظلہم کو ارشاد فرمایا تھا کہ: ''عمار کو سمجھاؤ!'' تو انہوں نے انتہائی بے بسی سے عرض کیا کہ: ''آپ خود سمجھائیں وہ آپ کا بھی شاگرد ہے۔''

پھر ایک موقع پر برادرم عمار خان صاحب حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت رحمہ اللہ نے خود بھی سمجھایا، اتفاق سے اُس وقت بھی بندہ موجود تھا۔ بندہ کی یادداشت کے مطابق برادرم عمار خان صاحب حضرت امام ابن تیمیہؒ کے تفردات کا ذکر کر کے اپنے لیے اکابر کی تحقیقات سے ہٹنے کا راستہ نکالنے اور اس پر حضرت امام اہل سنتؒ کی تائید حاصل کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے، پہلے اُنہوں نے حضرتؒ سے پوچھا کہ امام ابن تیمیہؒ کے اتنے تفردات ہیں، کیا وہ اہل سنت سے خارج سمجھے جائیں گے؟ حضرتؒ نے نفی میں جواب دیا تو اپنے مطلب کی بات پر آ گئے۔ اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میری بات سنو! محدثین کرام اور دیگر بزرگانِ دین کے پاس نیکیوں کی بوریاں ہیں بوریاں، اُن میں اگر چٹکی دو چٹکی خاک (مٹی) بھی چلی جائے تو کوئی حرج نہیں، وہ ان کو نقصان نہیں دے گی۔ جبکہ ہمارے پاس نیکیاں ہیں ہی نہیں، اگر ہم اسی چٹکی دو چٹکی خاک کو اٹھا کر بیٹھے رہیں تو ہمارا کام نہیں چلے گا۔''

الفاظ اگر حضرت رحمہ اللہ کے یہ نہ بھی ہوں تو مفہوم بالکل یہی تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے تفردات کو ''خاک''

سے تشبیہ دی، لیکن برادرم کے کان پہ جوں تک نہیں رینگی، کیونکہ اُن کو تو خاک ہی مرغوب ہے۔''

حمزہ بھائی کا کہنا ہے کہ: ''یہ بات کسی اور نے بھی تحریری یا زبانی نقل کی ہے، لیکن اِس وقت مجھے یاد نہیں۔''

برادرم عمار خان صاحب کو سمجھانے کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔

ارباب الشریعہ کو حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی علالت کے زمانہ میں پہلے جیسا خطرہ تو نہیں تھا، لیکن تھا ضرور، چنانچہ قدرے ''احتیاط'' سے کام لیا گیا۔ اور جب حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو اب نہ کوئی بلا کر سمجھانے والا تھا، نہ کوئی روکنے ٹوکنے والا تھا اور نہ کسی کی باتیں دماغ کو اپیل کر سکتی تھیں، چنانچہ ایک ہڑبونگ مچا دیا گیا۔ جو بظاہر طے شدہ پروگرام کا حصہ لگتا ہے۔ حضرت امام اہل سنتؒ کے بعد ماہنامہ وفاق المدارس، حضرت مولانا عبد الحق خان بشیر مدظلہم، حضرت مولانا عبد القدوس قارن مدظلہم، محقق اہل سنت مولانا مفتی عبد الواحد مدظلہم، حضرت مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہم، مخدوم مکرم مولانا عبد القیوم حقانی مدظلہم اور دیگر اہل علم وقلم نے برادرم عمار خان صاحب کو سمجھانے کی بسیار کوشش کی، لیکن جس دماغ کو حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی خلوص وشفقت میں ڈوبی باتیں بھی پوری طرح اپیل نہ کر سکیں اُس دماغ کو اور کس کی باتیں اپیل کر سکتی ہیں؟ اِس کو جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے فکر کی برکت کہہ لیجیے یا اُن کے رسالہ کی کرامت۔ کیونکہ اُن کی تحریروں نے عمار خان صاحب کے دماغ میں اتنی گنجائش ہی نہ چھوڑی تھی کہ اُس کو کسی اور کی باتیں اپیل کر سکیں۔ (پسند اپنی اپنی، نصیب اپنا اپنا۔) اس دوران وفاق المدارس کی عاملہ کے اجلاس اور اکابر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی میں مولانا زاہد الراشدی مدظلہم کو بار بار خصوصی دعوت دے کر بلایا گیا، لیکن مولانا راشدی مدظلہم نے نہ اس اجلاس میں شرکت کی اور نہ کمیٹی کے سامنے اپنے موقف کی وضاحت کی۔ یہ برادرم عمار خان صاحب کو سمجھانے کا تیسرا مرحلہ تھا۔

چوتھے مرحلے میں مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم اور دیگر اکابر اہل سنت کی طرف سے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا۔ اس مرحلے میں ملک بھر کے علماء ومفتیان نے بائیکاٹ کے فیصلے کی تائید کرتے ہوئے ارباب الشریعہ کو ''رجوع'' کا خیر خواہانہ مشورہ دیا۔ لیکن یہ مشورہ بھی اُن کے ''دماغ کو اپیل'' نہ کر سکا اور وہ جواب میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم کی ذات پہ کیچڑ اُچھالنے اور اُسے داغدار کرنے جیسی اوچھی حرکتوں پہ آ گئے، جس سے اُن کے موقف کی علمی وتحقیقی حیثیت اور ان کی بے بسی وگھبراہٹ خوب واضح ہو گئی۔

عین ممکن ہے کہ برادرم جناب عمار خان صاحب کا اِن مراحل کے علاوہ دیگر مرحلوں سے بھی گزر ہوا ہو، لیکن فی الوقت ہماری یادداشت اور علم میں یہی ہیں۔ اس لیے انہی کے ذکر پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

حیرت انگیز اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ اِن تمام مراحل میں ارباب الشریعہ کا رویہ اور طرزِ عمل بہت مایوس کن بلکہ نقصان دہ حد تک جانب دار رہا۔

چنانچہ ۲۰۰۹ء میں جب ماہنامہ وفاق المدارس میں تبصرے کے لیے ''الشریعہ'' بھیجا گیا، ارباب وفاق نے موقع غنیمت جانا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور احقاق حق وابطالِ باطل کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ''بے لاگ'' تبصرہ کر دیا۔ اس کے جواب میں ارباب الشریعہ بالخصوص جناب عمار خان صاحب نے انتہائی جارحانہ انداز اختیار کیا۔ اس کے باوجود ارباب الشریعہ اُن کے حمایتی وپشت پناہ ہی رہے۔

جب حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہم نے جناب عمار خان صاحب کو سمجھانے کی ٹھانی اور بھرپور اور مؤثر طریقے سے گرفت فرما کر فرض کفایہ ادا کیا تو ارباب الشریعہ ازخود میدان میں اُتر پڑے۔ علاوہ ازیں جب بھی محسوس کیا گیا کہ عمار خان صاحب کے مقابلہ میں اہل حق کے دلائل وزنی اور متاثر کن ہیں، عمار صاحب کی شخصیت مجروح ومطعون ہوسکتی ہے تو فوراً اپنی شخصیت ونسبت اور ذاتی شہرت کی آڑ میں اُن کے ناجائز دفاع کی کوشش کی گئی۔ اور عمار خان صاحب کو گمراہی کے گڑھے سے نکالنے کی مخلصانہ کوششیں کرنے والے اہل علم وقلم کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ چنانچہ مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم لکھتے ہیں:

> ''مولانا زاہد الراشدی صاحب اِن سب باتوں سے یقیناً واقف ہوں گے کیونکہ سمجھ بوجھ والے آدمی ہیں۔ پھر بھی وہ جہاں دوسروں کا علمی دباؤ محسوس کرتے ہیں عمار خان کے دفاع میں آجاتے ہیں اور حق بات کہنے کے فریضے کو ترک کر دیتے ہیں۔'' [نیا اسلام، ص:۱۴]

حالانکہ اِن حالات میں عمار خان صاحب اور اُن کے باطل نظریات کی تائید کا مطلب بدعت وضلالت کی ترویج کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ مفتی عبدالواحد مدظلہم ہی لکھتے ہیں:

> ''عمار خان سے بحالات موجودہ جس طرح کی ہمدردی کی جارہی ہے اور جس طرح ان کا دفاع کیا جارہا ہے وہ اس حدیث کا مصداق ہے: **من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام.**'' [ایضا]

اس ہمدردی، حمایت اور دفاع کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمار خان صاحب کو بچاتے بچاتے ارباب الشریعہ کی اپنی شخصیت ووقار بری طرح مجروح ہوکر رہ گیا۔

لیکن وہ اس پر مطمئن اور خوش ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں اگر تنقید صرف عمار خان صاحب پر ہو اور اُن کی گمراہی کو عوام الناس کے سامنے کھولا جائے تو اکثریت اسے فی الفور قبول کرلے گی۔ جیسا کہ کر چکی ہے۔ لیکن اگر یہی تنقید ارباب الشریعہ پر ہو تو اسے اتنی آسانی سے قبول نہ کیا جاسکے گا۔ چنانچہ ارباب الشریعہ نے جب ملک بھر کے اہل حق کے قلم کا رُخ عمار خان صاحب کے نظریات کے تعاقب میں دیکھا تو فوراً میدان میں اُتر کر اُن کا ناجائز دفاع کرتے ہوئے اس کا رخ اپنی جانب موڑنے کی کوشش کی، جس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔ لیکن نتیجہ اُن کی توقع کے مطابق نہ نکل سکا۔ عمار خان صاحب کی شخصیت اور اُن کے باطل نظریات تو نہ بچ

سکے البتہ اُن کو بے جا سہارا دینے والے خود اپنا وقار گنوا بیٹھے۔اور اکابر و علماء نے اُن سے بھی بائیکاٹ کا فیصلہ کر دیا۔

ہمارے خیال کے مطابق یہ فیصلہ بالکل درست اور بجا ہے۔کیونکہ ارباب الشریعہ کی طرف سے جناب عمار خان صاحب اور اُن کے باطل نظریات کے تحفظ کا واضح اور صحیح مطلب یہی ہے کہ ارباب الشریعہ بھی انہی نظریات کے حامل ہیں۔جیسا کہ عمار خان صاحب کی تحریرات سے ظاہر ہے۔نیز خود بھی لکھتے ہیں کہ ''عمار خان کا کوئی نظریہ میرے نزدیک ''گمراہی'' کے دائرے میں نہیں آتا۔'' چنانچہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ خود بھی انہی نظریات کے حامل ہیں۔لیکن بعض مجبوریوں،''حالات کے تقاضوں''،''وقتی ضرورت'' اور علماء و مشائخ کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ایک عرصہ تک خاموشی میں عافیت سمجھی گئی۔اور حضرت امام اہل سنتؒ کی علالت کے بعد ''الشریعہ'' کی ادارت جناب عمار خان صاحب کے حوالے کر دی گئی۔اور رفتہ رفتہ ''اپنا کام'' شروع کر دیا گیا۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ارباب الشریعہ اور عمار خان صاحب کا دفاع:

اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم الشریعہ کی اشاعت خاص کے بعض مندرجات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہیں گے۔عمار خان صاحب کے والد گرامی لکھتے ہیں:

''مجھ پر یہ الزام ہے کہ میں عمار خان کا ناجائز دفاع کرتا ہوں۔یہ بات درست نہیں ہے۔میں دفاع ضرور کرتا ہوں،لیکن ناجائز نہیں کرتا۔''[ص:۱۷۲]

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''جہاں تک مسائل کا تعلق ہے،بعض مسائل میں مجھے بھی عمار خان سے اختلاف ہے،لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ حق و باطل کے درجہ اور گمراہی کے دائرے کا نہیں ہے۔''[ص:۱۷۳،۱۷۴]

آج تک ہم جن احباب سے کہتے رہے کہ عمار خان صاحب کے والد گرامی اُن کی تائید و دفاع کرتے ہیں، وہ ساتھی لاعلمی کی بنا پر ہماری بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔لیکن اب اُن کے والد گرامی خود لکھ رہے ہیں کہ:''میں دفاع کرتا ہوں۔''تو امید ہے اُن دوستوں کی تسلی ہو گئی ہو گی۔عمار خان صاحب کے والد گرامی نہ صرف اُن کا دفاع کرتے ہیں بلکہ اُن کی گمراہی کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہیں۔

نیز اب قارئین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ جن نظریات کو جید علماء،مفتیان اور اکابرِ اہل سنت باطل اور گمراہ کن قرار دے چکے ہیں،اُن کو''گمراہی کے دائرے'' سے خارج قرار دے کر اُن کے حامل کا دفاع کرنا کیسے''جائز دفاع'' ہو سکتا ہے؟ بھلا عمار خان صاحب کی گمراہی بھی کوئی ڈھکی چھپی چیز ہے؟

(جاری ہے۔۔۔۔)

مولانا عبدالرحیم چاریاری

قضیہ مولانا زاہدالراشدی صاحب......مرحلہ وار

......قسط نمبرا......

پہلا مرحلہ......اکابرِ وفاق کی کوششیں اور مولانا زاہدالراشدی کا طرزِ عمل

بسم اللہ الرحمن الرحیم،نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم،امابعد!

آج سے تقریباً تین ماہ قبل اپریل میں ارادہ ہوا کہ مولانا زاہدالراشدی صاحب کے قضیہ سے متعلق ابتدا تا انتہاء تمام صورتحال عوام الناس کے سامنے پیش کی جائے۔ بالخصوص اکابروفاق اور مولانا راشدی کے خطوط جو پانچ سال قبل لکھے گئے۔(جنھیں الشریعہ کی اشاعت خاص میں شائع نہیں کیا گیا۔)
چنانچہ مجلّہ صفدر ش:۳۹ میں آخری ٹائٹل کے بیک (ٹائٹل نمبر۳) پر درجِ ذیل اعلان شائع کر دیا گیا:

''قضیہ مولانازاہدالراشدی صاحب......مرحلہ وار

پہلا **مرحلہ**: ''وفاق المدارس'' میں تبصرہ کے لیے الشریعہ کی ترسیل، ماہنامہ وفاق المدارس میں الشریعہ پر تبصرہ، مولانا زاہدالراشدی صاحب کا وفاق کی مجلس عاملہ اور نصابی کمیٹی کی رکنیت سے استعفیٰ، وفاق المدارس کی طرف سے مولانا سلیم اللہ خان، مولانا عبدالرزاق اسکندر، مولانا رفیع عثمانی، مولانا تقی عثمانی اور مولانا حنیف جالندھری پر مشتمل کمیٹی کی تشکیل، مولانا زاہدالراشدی صاحب کا کمیٹی کے سامنے پیش ہونے سے انکار، مولانا حنیف جالندھری کی طرف سے وفاق کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت اور اس موقع پر اپنے موقف کی وضاحت کی دعوت، مولانا زاہدالراشدی کا مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت سے انکار، وفاق کا افہام وتفہیم کے لیے کمیٹی کے ساتھ بات چیت پر اصرار جب کہ مولانا زاہدالراشدی کا کمیٹی کے ساتھ بات چیت سے صاف انکار اور معاملہ سمیٹنے کا مطالبہ۔

دوسرا مرحلہ: ''غامدیت کیا ہے؟''،''امام اہل سنت کا مسلک اعتدال اور عمار خان ناصر'' ''عقائد اہل سنت اور مولانا زاہدالراشدی کی نوازشات''،''عمار خان کا نیا اسلام'' کی اشاعت۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کا مولانا زاہدالراشدی کے نام الشریعہ کے آزاد فورم کی نقصان دہ پالیسی سے متعلق مکتوب گرامی، مولانا عبدالقدوس خان قارن کا مولانا زاہدالراشدی کو ان کی اور عمار کی غلط پالیسی سے متعلق خط......اور مولانا زاہدالراشدی کی خاموشی۔

تیسرا مرحلہ: مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم کا اصلاحِ احوال کے لیے بائیکاٹ کا فیصلہ، ملک بھر

کے اکابر علماء ومفتیان کی طرف سے اس کی تائید وتصویب، مولانا زاہدالراشدی صاحب کا مولانا سلیم اللہ خان سے غیر جانبدار کمیٹی بنا کر اس سے فیصلہ کرانے کا مطالبہ، مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی طرف سے عمار خان کی گمراہی کا اعلان اور آزادفورم بند کرنے کے کی شرط پر کمیٹی بنانے کا فیصلہ، مولانا زاہدالراشدی صاحب کا عمار خان کو گمراہ تسلیم کرنے اور آزادفورم بند کرنے سے انکار اور پہلے کمیٹی بنانے پر اصرار، مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا عمار خان کی گمراہی تسلیم کرکے اس کا اعلان کرنے اور آزادفورم کو جمہور اہل سنت کے تابع بنانے کے تحریری اعلان سے قبل کسی بھی قسم کی کمیٹی بنانے سے انکار۔ مولانا زاہدالراشدی صاحب کا عمار خان کو گمراہ ماننے سے انکار اور اپنے مطالبے پر اصرار۔

چوتھا مرحلہ: مجلّہ صفدر میں مولانا زاہدالراشدی صاحب اور عمار خان کی بے اعتدالیوں وگمراہیوں اور آزادفورم کے نقصانات پر مشتمل چشم کشا حقائق، حافظ اسامہ مدنی کے تعصّبات وتلبیسات سے پردہ اٹھاتی تحریر ''مشاہدات''، ماہنامہ نصرۃ العلوم کے جوابی مضامین کا پوسٹ مارٹم......اور دیگر مفید معلومات افزاء ابحاث

ترتیب: خادم اہل سنت عبدالرحیم چاریاری''

(نوٹ: آخر میں غلطی سے ''ماہنامہ نصرۃ العلوم'' کی بجائے ''ماہنامہ الشریعہ'' لکھا گیا۔ جس کی اب ہم نے تصحیح کردی ہے۔)

لیکن جب ہمیں علم ہوا کہ ماہنامہ ''الشریعہ'' کی جانب سے 'اعتراضات واشکالات کا جائزہ' کے عنوان سے خصوصی شمارہ مئی میں شائع ہورہا ہے تو ہم نے یہ سوچ کر انتظار کرنا مناسب سمجھا کہ ممکن ہے کہ الشریعہ والے اپنی غلط پالیسی اور نامناسب روش سے رجوع وتوبہ کرلیں، یا پھر ہم پر ہماری غلطی واضح کردیں۔ تو ہم رجوع کرلیں۔ چنانچہ ہم نے انتظار کیا۔ مئی میں خبر ملی کہ خاص اشاعت مئی کے بجائے جون میں شائع ہوگی۔ صاحبزادہ مولانا حمزہ احسانی صاحب کا اصرار رہا کہ آپ کم ازکم وہ خطوط ابھی شائع کردیں۔ باقی بعد میں دیکھا جائے گا۔ لیکن بندہ کا شرح صدر نہ ہوا۔ جون میں الشریعہ کی اشاعت خاص دیکھنے کا موقع ملا۔ مولانا راشدی صاحب اور عمار خان صاحب کے مضامین بطورِ خاص دو دو اور تین تین بار پڑھے، لیکن افسوس کہ انہوں نے اکثر وہی پرانی باتیں دوہرادیں۔ اور اُن میں بھی دیانت وانصاف سے کام نہیں لیا۔

مولانا حمزہ صاحب ہی کے کہنے پر اب اِس قضیہ کی کچھ تفصیلات ''صفدر'' میں شائع کی جارہی ہیں۔ صفحات کی کمی کے باعث تمام مباحث یہاں شاید درج نہ ہوسکیں۔ اُن کے لیے ہماری نئی کتاب

''قضیہ مولانا راشدی صاحب......مرحلہ وار''

کا انتظار کیجیے۔ یہاں ہم چند اُصولی باتوں پر اکتفا کریں گے۔ رہی کتاب ''شواہدات''، اس کے مؤلف یا

مرتب نے جس تعصب، جانب داری اور تلبیس کا مظاہرہ کیا، اور حقائق کو مروڑ کر پیش کرنے کی ناکام سعی کی، اس کی حقیقت سے قارئین صفدر آگاہ ہو رہے ہوں گے۔ اللہ پاک، صاحبزادہ مولانا احسن خدامی صاحب مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے بلا تعصب، خالص مسلکی فکر اور دینی جذبہ سے اس خدمت کا بیڑہ اٹھایا۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ اپنی مرضیات پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس پہلی قسط میں ہم چند سطری تعارف، ماہنامہ وفاق المدارس کے تبصرے اور جانبین کے خطوط پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان خطوط کے ساتھ ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ چند سطروں میں توضیحی کلمات کا اضافہ کر رہے ہیں، تاکہ قارئین کو سمجھنے میں سہولت رہے۔ مولانا راشدی صاحب کے حالیہ تمام خطوط کا تفصیلی جواب ان شاء اللہ اپنے مقام پر آجائے گا۔

قضیے کی ابتدا:

قارئین کی بسہولت آگاہی کے لیے تعارفی سطور کو نمبر وار لکھا جا رہا ہے۔

۱۔ سنہ ۲۰۰۹ء میں ارباب 'الشریعۃ' کی طرف سے ماہنامہ 'الشریعۃ' کا ایک خاص شمارہ برائے تبصرہ ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کو ارسال کیا گیا۔

۲۔ اُس وقت الشریعہ کے رئیس التحریر مولانا زاہد الراشدی مدظلہم وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے اور ایک نصابی کمیٹی کے بھی ''رکن'' تھے۔

۳۔ مارچ ۲۰۰۹ء کے ''وفاق المدارس'' میں الشریعہ کے اُس شمارے پہ دیانت دارانہ ومنصفانہ تبصرہ شائع کیا گیا۔ جو کہ ہر مبصر اور رسالے کا حق ہے کہ تبصرے کے لیے آنے والی کتب ورسائل پہ اپنی دیانت دارانہ رائے کا اظہار اپنے مجلّے کے صفحات میں کرے۔

۴۔ اُصولاً ارباب الشریعہ کو محسوس نہیں کرنا چاہیے تھا، کیونکہ تبصرے کے لیے رسالہ انہوں نے خود بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے نہ صرف محسوس کیا، بلکہ اس کی شکایت بھی کی اور احتجاجاً وفاق کی مجلس عاملہ اور نصابی کمیٹی سے استعفیٰ دیدیا۔ یہ شکوہ واحتجاج نہ شرعاً درست تھا اور نہ اخلاقاً۔

۵۔ بے جا شکوے کے باوجود ارباب وفاق نے اس معاملہ کو افہام وتفہیم سے حل کرنے کی خاطر مولانا زاہد الراشدی صاحب کو وفاق کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت اور اس میں اپنے موقف کی وضاحت کی دعوت دی۔

۶۔ لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر مولانا راشدی صاحب مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کا حوصلہ نہ کر سکے اور شرکت سے انکار کر دیا۔ (کئی سال بعد ''احتجاج ریکارڈ کرانے'' کا نامعقول عذر پیش کیا۔)

۷۔البتہ انہوں نے اپنا موقف وشکوہ تحریری طور پر لکھ کر ارباب وفاق کو بھیج دیا۔جو بعد میں الشریعہ میں بھی شائع ہوا۔

۸۔مجلس عاملہ کے اجلاس میں مولانا راشدی صاحب کا تحریری موقف حرف بحرف پڑھ کر سنایا گیا۔

۹۔اس کے بعد بھی ارباب وفاق نے یہی فیصلہ کیا کہ اِس معاملے کو اُلجھانے کی بجائے سلجھانے کی کوشش کی جائے۔چنانچہ اکابر علماء کرام

۱۔شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم

۲۔شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مدظلہم

۳۔استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

۴۔شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور ناظم وفاق

۵۔حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہم

پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔جسے مولانا راشدی صاحب سے براہِ راست ملاقات کر کے اس معاملہ کو حل کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

۱۰۔وفاق کی طرف سے عاملہ کے اس فیصلے اور کمیٹی کی تشکیل کی اطلاع مولانا راشدی صاحب کو دے کر اُن سے کمیٹی کی ملاقات کے لیے وقت کی درخواست کی گئی۔

۱۱۔لیکن مولانا راشدی صاحب نے کمیٹی کی ضرورت واہمیت سے انکار کرتے ہوئے اِن اکابر کے ساتھ اس مسئلے پر گفتگو کرنے سے معذرت کر لی۔اور کہا کہ:''اس معاملے میں مزید پیش رفت کے لیے مجھے شرحِ صدر نہیں۔''نیز اپنا استعفیٰ بھی برقرار رکھا۔

۱۲۔آئندہ سال عاملہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے پھر مولانا راشدی صاحب کو وفاق کی طرف سے باقاعدہ دعوت دی گئی۔

۱۳۔لیکن مولانا راشدی صاحب نے نہ صرف کمیٹی کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا، بلکہ اپنے تحریری موقف کو اول وآخر موقف قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:''اس میں کسی قسم کی نظرِ ثانی کے لیے بھی تیار نہیں ہوں۔''اور استعفیٰ کی بابت فرمایا کہ: اگر اکابر علماء کی کمیٹی اس موقف سے مطمئن ہو جائے اور اسی موقف کے ساتھ مجھے وفاق کی باضابطہ خدمت کے لیے قبول کر لے تو ماہنامہ ''وفاق المدارس''میں اس موقف کی من وعن اشاعت کے بعد میں حسب سابق ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

۱۴۔مولانا راشدی صاحب کے اس صاف اور دوٹوک جواب کے باوجود اکابر وفاق کی خواہش

یہی رہی کہ ایک مرتبہ مولانا راشدی صاحب وفاق کی مجلس عاملہ یا اکابر پر مشتمل کمیٹی سے بالمشافہ ملاقات فرمالیں، تاکہ اس مسئلے کا کوئی حل نکل سکے۔ چنانچہ عاملہ کے اجلاس میں یہ طے ہوا کہ کمیٹی کے اراکین جلد از جلد مولانا راشدی صاحب سے ملاقات کو یقینی بنائیں۔

۱۵۔لیکن مولانا راشدی صاحب نے اس مسئلہ پہ گفتگو کہ لیے نہ آنا تھا اور نہ آئے۔ مجبوراً اربابِ وفاق نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔

محترم قارئین! یہاں تک اس قضیہ کی تفصیلات اس پہلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔ باقی ان شاء اللہ آئندہ۔ نیز قارئین کی سہولت اور فہم کی آسانی کے لیے مذکورہ بالا توضیحی سطور میں سے بعض کا اعادہ ہم مکتوبات کے درمیان بھی کریں گے۔ان شاءاللہ

ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کا ''الشریعہ'' پر تبصرہ:

ہمارے سامنے یہ ماہنامہ ''الشریعہ'' کا نومبر، دسمبر 2008ء کا شمارہ ہے۔ جو ''الشریعہ اکیڈمی'' گوجرانوالہ سے مولانا زاہدالراشدی صاحب کی زیرسرپرستی برسوں سے شائع ہورہا ہے اور ہمارے پاس ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں تبصرے کے لئے بھیجا گیا ہے۔اس کے رئیس تحریر مولانا زاہدالراشدی صاحب اور مدیران کے بیٹے حافظ عمار خان ناصر صاحب ہیں۔ مولانا زاہدالراشدی صاحب کواللہ تعالیٰ نے ایک سیال قلم بخشا ہے۔وہ اپنی بات انتہائی سلیس اور روانی سے شیریں اسلوب میں پڑھنے والے کے دل کے اندر اتارتے چلے جاتے ہیں۔ان کی نسبت بھی بہت بلند ہے اور امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہم کے صاحبزادے اور پاکستان میں گوجرانوالہ کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا زاہدالراشدی رسالے کے اجراء کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے اس ترجمان کی ابتداء اس عزم کے ساتھ ہوئی تھی کہ دورِ حاضر کے مسائل اور چیلنجز کوسامنے رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات واحکام کوجدید اسلوب اور تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ عالم اسلام کے علمی ودینی حلقوں کے درمیان رابطہ ومفاہمت کے فروغ کی راہ ہموار کی جائے گی۔ اسلام دشمن لابیوں اور حلقوں کے تعاقب اور نشان دہی کا فریضہ انجام دیا جائے گا اور دینی حلقوں میں فکری بیداری کے ذریعے سے جدید دور کے علمی وفکری چیلنجز کا ادراک واحساس اجاگر کیا جائے گا۔ان مقاصد کی طرف ہم کس حد تک پیش رفت کرپائے ہیں۔اس کے بارہ میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' [الشریعہ ص۲ جنوری 2006ء]

آج جب کہ ہم یہ تبصرہ لکھ رہے ہیں۔الشریعہ کی اشاعت کوتقریباً بیس سال مکمل ہونے کو ہیں۔ الشریعہ کی فائلیں دیکھ کر ہمیں انتہائی دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے۔مولانا زاہدالراشدی صاحب اس پلیٹ فارم پر اپنے

اکابر کی راہ مستقیم سے الگ ہو رہے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کے مقاصد وہی ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور وہ واقعتاً انہی مقاصد کے لئے اتنی تگ و دو کر رہے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ الشریعہ کے ذریعے ذہنی اضطراب وانتشار کے علاوہ بظاہر علمی و دینی حلقوں میں اسی طرح کی کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ جہاں تک اسلامی تعلیمات کو جدید اسلوب اور تقاضوں کے مطابق پیش کرنا ہے اسلام دشمن لابیوں اور حلقوں کا تعاقب کرنا ہے اور دور جدید کے علمی وفکری چیلنجز کا ادراک واحساس اجاگر کرنا ہے تو دینی حلقے پہلے بھی یہ فریضہ انجام دے رہے تھے، اب بھی دے رہے ہیں اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی دیتے رہیں گے۔

لیکن الشریعہ کا طرز اسلوب اور حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ الشریعہ اکیڈمی کی صورت میں مولانا زاہد الراشدی صاحب جس علمی وفکری ماحول اور معاشرے کی تشکیل دینا چاہتے ہیں اس کی ایک مثال تحقیق کے نام پر اہل اسلام کے مسلمات سے تجاوز اور قدیم وجدید کے درمیان تطبیق وآہنگی کے نام پر اسلامی احکامات کی حقیقی شکل وصورت کو مسخ کرنے کی صورت میں ان کے بیٹے اور ان کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''الشریعہ'' کے مدیر محمد عمار خان ناصر کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ یہ مولانا کی بیس سالہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ جس کو وہ مختلف افکار ونظریات کے حامل مسلمان اہل علم کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا بتاتے ہیں۔ مولانا بظاہر معروف تجدد پسند جاوید احمد غامدی سے علمی وفکری اختلاف کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ لیکن اس کی علمی وفکری کاوشوں کا ثمرہ اور مرکز ومحور بتاتا ہے کہ وہ غامدی افکار ونظریات کے امین اور اس کی اشاعت وترویج کے لئے اپنی صلاحیتیں پورے طور پر بروئے کار لائے ہوئے ہیں۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب کے بیٹے اور ماہنامہ الشریعہ کے مدیر حافظ عمار خان ناصر جاوید احمد غامدی کے شاگرد وخوشہ چین ہیں اور وہ آزاد خیالی میں انہی کے طرز فکر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کی تالیفی کاوشیں اور الشریعہ کی فائلیں ہماری اس بات کی شاہد ہیں اور ماہنامہ ''الشریعہ'' کا اجراء بھی اسی طرز فکر کو پروان چڑھانے کے لئے کیا گیا۔ خود مولانا زاہد الراشدی صاحب کا طرز عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں مولانا کے بیٹے جناب عمار خان ناصر نے ''حدود وتعزیرات'' پر کتاب کی تالیف کی جس میں انہوں نے پیغمبر اسلام کے بلند مرتبہ صحابہؓ پر کیچڑ بھی اچھالا اور کئی طے شدہ اجماعی مسائل سے انحراف بھی کیا ہے۔ اس مختصر تبصرے میں ان کے چند خرافات بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

1:......رجم کی شرعی حیثیت سے انکار:

عمر احمد عثمانی، امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی کی پیروی میں انہوں نے محصن کی حد رجم کا انکار کیا ہے۔

''سورۃ نساء کی آیت نمبر 15 میں زنا کے جن عادی مجروں کے لئے عبوری سزا بیان کی گئی ہے ان کا جرم چونکہ زنا کے عام مجرموں کے مقابلے میں کئی گناہ زیادہ سنگین تھا اور ان میں سے بالخصوص یاری آشنائی کا تعلق رکھنے والے بدکار جوڑے اس عرصے میں توبہ واصلاح کا موقع دیئے جانے کے باوجود اپنی روش سے باز نہیں آئے تھے۔اس لئے عام مجرموں کے برخلاف زنا کے یہ عادی مجرم بدیہی طور پر اضافی سزاؤں کے بھی مستحق تھے۔چنانچہ ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی کی طرف سے یہ ہدایت کی گئی کہ سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ ان کی جلاوطنی اور رجم کی اضافی سزائیں بھی نافذ کی جائیں۔صدر اول سے اہل علم کی غالب ترین اکثریت کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ عبادہ بن صامت کی روایت اور اس کے علاوہ جلاوطنی اور رجم کی سزا سے متعلق دیگر روایات زنا کے عام مجرموں ہی سے متعلق ہیں اور متعدد روایات سے بظاہر اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔اس رائے کے مطابق ان اضافی سزاؤں کو ہر طرح کے زانی پر قابل اطلاق مانا جائے تو یہ بات بظاہر قرآن مجید کے مدعا سے متجاوز قرار پاتی ہے۔''(حدود وتعزیرات ص ۱۳۷ تا ۱۳۸)

2:......مرتد کی شرعی سزا کا انکار:

ارتداد کی سزائے موت پر امت کا اجماع ہے جب کہ انہوں نے دور حاضر میں ارتداد پر سزائے موت نافذ نہ کرنے کے ریاستی قوانین کو بالکل درست قرار دیا ہے۔

''دور جدید کی بیشتر مسلم ریاستوں میں ارتداد پر سزائے موت نافذ کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔جو ہماری رائے میں حکم کی علت کی رو سے بالکل درست ہے۔''

(''حدود وتعزیرات، ارتداد کی سزا،ص ۲۲۸)

3: لعان دور نبوی کی عملی مجبوری تھی:

قرآن مجید کے واضح حکم ''لعان'' کے مقابلے میں دور حاضر کی طبی تحقیقات کو کافی قرار دیا ہے:

''قدیم دور میں بچے کے نسب کی تحقیق کا کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں تھا۔چنانچہ لعان کے سوا اس معاملے کا کوئی حل ممکن نہیں تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی پر الزام لگانے کی صورت میں لعان کا طریقہ اختیار کر کے بچے کے نسب کو عورت کے شوہر سے منقطع کرنا بجائے خود مقصود نہیں، بلکہ عملی مجبوری کا نتیجہ تھا۔اب اگر دور جدید میں طبی ذرائع کی مدد سے بچے کے نسب کی تحقیق یقینی طور پر ممکن ہے اور اپنے نسب کا تحفظ بجائے خود بچے کا ایک جائز حق بھی ہے تو بیوی کے کہنے پر یا بڑا ہونے کے بعد خود بچے کے مطالبے پر ان ذرائع سے مدد لینا اور اگر ان کی رو سے بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت قرار پائے تو اسے قانونی لحاظ سے اس کا جائز بیٹا تسلیم کرنا' ہر لحاظ سے شریعت کے منشاء کے مطابق ہوگا''۔

(حدود وتعزیرات،ص ۲۴۸ تا ۲۴۹)

4:......عورت کی نصف دیت کا انکار:

عورت کی نصف دیت جیسے اجماعی مسئلے کے بھی وہ منکر ہیں لکھتے ہیں:

''اصول فقہ کے ایک طالب علم کو بحث میں فقہائے احناف کے اصولی منہج میں بے قاعدگیوں (Inconsistency) کے اس سوال سے بھی سابقہ پیش آتا ہے۔جس کی مثالیں احناف آرا میں جابجا پائی جاتی ہیں۔یہ بات نا قابل فہم ہے کہ احناف مسلم اور غیر مسلم کے باہمی قصاص اور غیر مسلم کی دیت کے معاملے میں تو قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کی روشنی میں صحابہ کے فتاوی اور فیصلوں اور قانونی تعامل کو نظر انداز کرتے یا ان کی توجیہ وتاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔لیکن عورت کی دیت کے معاملے میں قرآن مجید کے عموم،صحیح وصریح احادیث اور عقل وقیاس کو نظر انداز کرتے ہوئے نہ صرف عورت کی دیت کو مرد سے نصف قرار دیتے ہیں۔بلکہ جراحات میں مرد اور عورت کے مابین سرے سے قصاص ہی کے قائل نہیں۔'' (حدود وتعزیرات،ص105,106)

5......صحابہؓ معیار حق نہیں:

اس میں مزید حدود سے تجاوز کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ صحابہ کا عورت کی نصف دیت پر اجماع کرنا زمانہ جاہلیت کے معاشرتی تصورات اور رسم ورواج سے متاثر ہونے کی بناء پر تھا اور اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی کوششیں صحابہ میں بار آور نہ ہوسکیں۔لہٰذا اس کی وجہ سے صحابہؓ کے آئیڈیل اور معیار ہونے پر انہوں نے سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے۔

''اگرچہ عورت کے بارے میں جاہلی تصورات اور رسوم کی اصلاح کر دی گئی تاہم بعض تصورات جن میں عورت کی جان کی حرمت اور قدر و قیمت کے حوالے سے زیر بحث تصور بھی شامل ہے۔کی اصلاح کی کوشش نتیجہ خیز اور موثر نہ ہوسکیں اور صحابہ وتابعین کو معروضی معاشرتی تناظر میں ایسے قوانین تجویز کرنا پڑے جن میں انہی سابقہ تصورات کی عملی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو۔'' (حدود وتعزیرات،ص105)

6:......آگے لکھتے ہیں:

''منصوص احکام کے ساتھ ساتھ مستنبط اور اجتہادی قوانین واحکام کی وہ عملی صورت جو تاریخ اسلام کے صدر اول میں اختیار کی گئی مذہبی زاویہ نگاہ سے اس کے آئیڈیل اور معیار ہونے کی حیثیت پر سوالیہ نشان کھڑا ہوجاتا ہے۔''(حدود وتعزیرات،ص105)

7:......اجماع کا انکار:

چنانچہ اجماع کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ علمی وفقہی تعبیرات کے دائرے میں ''اجماع'' کا تصور ایک

علمی ''افسانہ'' ہے، جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔''

(مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص، 13)

8:......ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جب کسی صاحب علم کو سابقہ آراء وتوجیہات پر اطمینان نہ ہو تو اسے اس بات کا پابند کرنا کہ وہ ''اجماع'' ہی کے دائرے میں اپنے آپ کو ضرور مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔ ایک لایعنی بات ہے،،۔(مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص 21)

9:......صحابہؓ پر طعن وتشنیع: صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ممکن ہے مولانا محترم کا یہ مفروضہ منافقین کے بارے میں درست ہو۔ لیکن جہاں تک مخلص اور خدا ترس اہل ایمان کا تعلق ہے تو مستند روایات کی رو سے وہ ایسا (زنا بالجبر) کرنے کی پوری پوری جرات رکھتے تھے۔'' (تنقیدات کا ایک جائزہ، ص 42)

10......: ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اس معاشرے میں آپ کے تربیت یافتہ اور بلند کردار صحابہ کے علاوہ منافقین وتربیت سے محروم کمزور مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو مختلف اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا تھی۔ اس طرح کے گروہوں میں نہ صرف پیشہ ورانہ بدکاری اور یار آشنائی کے تعلقات کی مثالیں پائی جاتی تھیں بلکہ اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کرکے ان کے ذریعے سے کسب معاش کا سلسلہ بھی جاری وساری تھا۔'' (تنقیدات کا جائزہ ص 43)

یہ اور اس طرح کے دیگر انحرافات کے باوجود ''حدود وتعزیرات'' نامی اس کتاب پر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے دیباچہ لکھا ہے اور اپنے بیٹے کی اس کاوش کو سراہا ہے۔ ان کا دیباچہ ''الشریعۃ'' میں بھی شائع ہوا ہے۔ اگر اس میں غور وفکر کیا جائے تو اس کی پوری عبارت ڈانواں ڈول نظر آتی ہے۔ ان کی تعبیرات میں پیچ وخم ہے اس میں حفظ ما تقدم کے لئے سابقے اور لاحقے کے طور پر'' شرطیہ جملوں'' اور ''استثنائی تعبیرات'' کا سہارا لیا گیا ہے۔

11:......اس غلط روش کی روک تھام کے بجائے آخر میں مولانا نے اہل علم سے اپیل کی ہے کہ وہ ان مسائل میں بحث ومباحثہ کو آگے بڑھائیں۔ حالانکہ یہ مسلمہ اجماعی مسائل ہیں اجتہادی نہیں ہیں اس کے باوجود مولانا لکھتے ہیں:

''عزیزم حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ نے اس علمی کاوش کا سلسلہ آگے بڑھایا ہے۔ اور زیادہ وسیع تناظر میں حدود وتعزیرات اور ان کے متعلقہ امور ومسائل پر بحث کی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ یہ ضروری

نہیں ہے کہ اس کے ہر پہلو سے اتفاق کیا جائے۔ البتہ اس کاوش کا یہ حق ضرور بنتا ہے کہ اہل علم اس کا سنجیدگی سے جائزہ لیں۔ بحث ومباحثہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کے مثبت ومنفی پہلوؤں پر اظہار خیال کریں اور جہاں کوئی غلطی محسوس کریں۔ اسے انسانی فطرت کا تقاضا تصور کرتے ہوئے علمی مواخذہ کا حق استعمال کریں تاکہ صحیح نتیجے پر پہنچنے میں ان کی معاونت بھی شامل ہو جائے۔''

(حدود وتعزیرات، ص13)

12:......اسی ''دیباچے،، میں مولانا زاہد الراشدی صاحب اپنے بیٹے کی تحریفات کو جواز فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج کے نوجوان اہل علم جو اسلام کے چودہ سو سالہ ماضی اور جدید گلوبلائزیشن کے ثقافتی ماحول کے سنگم پر کھڑے ہیں۔ وہ نہ ماضی سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں اور نہ مستقبل کے ناگزیر تقاضوں سے آنکھیں بند کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ اس کوشش میں ہیں کہ ماضی کے علمی ورثہ کے ساتھ وابستگی برقرار رکھتے ہوئے قدیم وجدید میں تطبیق کی کوئی قابل قبول صورت نکل آئے، مگر انہیں دونوں جانب سے حوصلہ شکنی کا سامنا ہے اور وہ بیک وقت ''قدامت پرستی'' اور ''تجدد پسندی'' کے طعنوں کا ہدف ہیں۔ مجھے ان نوجوان اہل علم سے ہمدردی ہے میں ان کے دکھ اور مشکلات کو سمجھتا ہوں اور ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں۔'' (حدود وتعزیرات، ص۱۳)

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالمی ماحول اور جدید گلوبلائزیشن کے وہ کون سے تقاضے ہیں، جن کا مولانا زاہد الراشدی صاحب بار بار ذکر کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ قدیم وجدید میں تطبیق اور قابل قبول صورت نکالنے کے خواہاں ہیں۔ یہ اس وقت ہوسکتا ہے۔ جب نعوذ باللہ اس سے پہلے اسلامی احکام جدید دور کے تقاضوں پر پورا نہ اترتے ہوں اور اب ان کو جدید دور کے مطابق بنانے کے لئے کوئی ایسی صورت نکالی جائے اور وہ صورت بھی قابل قبول ہو۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون سی اتھارٹی ہے جو قبولیت کے اس معیار کو مقرر کرے گی۔ ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ یہ ''دیباچہ،، حدود وتعزیرات کی ایک ایسی کتاب کے لئے لکھا گیا ہے۔ جس میں مغرب واہل استشراق کی طرف سے اسلامی حدود پر کئے گئے اعتراضات کو عملی جامہ پہنانے انہیں اسلامی احکام کا لبادہ اوڑھانے اور پوری فقہ اسلامی کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا ایسے مرعوب ذہنوں کے دکھ درد اور مشکلات کو بھی سمجھتے ہیں اور دینی احکام کی کتر وبیونت پر ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

13:......الشریعہ کے زیر تبصرہ شمارے میں ایک کالم نگار تبلیغی جماعت کے متعلق لکھتے ہیں:

''تبلیغی جماعت کے لوگوں کی سادگی واخلاص اور محنت اپنی جگہ، لیکن اسلام کے کسی ایسے تصور کو صحیح کیسے

سمجھا جاسکتا ہے جو امت کی اجتماعی' سیاسی اور تہذیبی زندگی سے صرف نظر کرتا ہو۔ اسے اہمیت نہ دیتا ہو اور ان پر منفی طور ہر اثر انداز ہونے والے عوامل کے رد کو نہی عن المنکر کے اسلامی تصور کا حصہ نہ سمجھتا ہو۔ لہذا ہم تبلیغی جماعت اور اس سے ملتی جلتی تنظیموں کو اسلامی حوالے سے امت مسلمہ کے سیاسی اور تہذیبی مستقبل کے تناظر میں غیر مفید بلکہ نقصان دہ سمجھتے ہیں۔'' (ص 20,21)

حالانکہ وقت کے تمام اکابر نے تبلیغی جماعت کے کام پر اطمینان کا اظہار کیا ہے تبلیغی جماعت امت کی اجتماعی، سیاسی اور تہذیبی زندگی سے صرف نظر نہیں کرتی بلکہ افراد پر محنت کر کے اس کے لئے ماحول اور راہ ہموار کرتی ہے، وہ ایسے افراد مہیا کرتی ہے جو اپنی نظریاتی وفکری زندگی کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں بھی اسلامائزیشن کے داعی ہوں۔ آپ کی سیاسی وفکری تنظیمیں اور افراد نے مل کر بھی اس دور میں اتنے نظریاتی وعملی زندگی سے بہرہ ور افراد مہیا نہیں کئے۔ جتنے ایک تبلیغی جماعت نے اخلاص وللّٰہیت کو سامنے رکھتے ہوئے کئے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں انہوں نے اسلامی لگن اور فکر کو عام کیا ہے اس دور کے ''نام نہاد'' فکری ونظریاتی افراد اور تنظیموں کے نام ونمود اور چودھراہٹ کی خاطر 'اسلامی سیاست' نظریات وفہم اور تدبر کے حوالے سے معاشرے میں جو پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا کی ہیں۔ انہوں نے امت کو انتشار وتشتت کے علاوہ اور کیا دیا ہے۔ مثال کے لئے خود مضمون نگار مولانا زاہد الراشدی صاحب، عمار خان ناصر اور غامدی جیسے افراد ان کی اکیڈمیوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

14:......ایک صاحب مجاہدین کے جذباتی رویہ پر تنقید کرتے ہیں اور انہیں اسلامی احکام کی پاسداری کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن خود ان کا اپنا اسلوب اسلامی احکام پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ ہے

''دار الحرب ودار الاسلام کی تقسیم کون سی آسمان سے نازل شدہ ہے کہ جس کا خلاف جائز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فقہاء نے اپنے زمانوں میں مسلمانوں کو بعض مسائل سمجھانے کے لئے یہ تقسیم پیش کی تھی کہ جس کا شریعت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (ص: 88)

الشریعہ کے ارباب اہتمام کی تحریروں اور الشریعہ کی فائلوں میں دینی طبقوں کے لئے ''روایتی''، ''قدیم''، ''کلاسیکل''، ''قدامت پسند''، ''رجعت پسند'' وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے اور اپنی تحریروں کو زرق برق بخشنے اور پرکشش بنانے کے لئے دیگر تجدد پسندوں کی طرح یہ حضرات بھی ''عالمی ماحول''، ''عالمی ثقافت وتہذیب''، ''جدید قانونی فکر''، ''قدیم وجدید'' ''گلوبلائزیشن کے ثقافتی تقاضے'' وغیرہ جیسے مغرب سے درآمد شدہ اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں اور یہی ان کا منبع علم ہے۔ مصر میں بھی جدت پسندوں نے انہی اصطلاحات وتعبیرات کا استعمال کیا اور اسی کو انہوں نے کامیابی کا زینہ سمجھا۔

اس طرح کے تجاوزات اگر غیر مقلد، منکر حدیث، مودودی فکر سے وابستہ یا ان کے علاوہ کوئی اور

آزاد منش لوگ کرتے تو ہماری طرف سے ان کی سختی سے تردید کی جاتی اور عوام الناس کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی، لیکن کیا مولانا زاہدالراشدی صاحب اور ان کے بیٹے عمار خان ناصر کو دین اور اسلامی روایات کو توڑنے پھوڑنے کی اجازت اس لئے حاصل ہے کہ وہ امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کے علی الترتیب بیٹے اور پوتے ہیں۔ جب کہ خود حضرت کی شبانہ روز کوششیں باطل عقائد و نظریات کا قلع قمع کرنے میں صرف ہوئی ہیں۔ ہم اس وقت وہی بات دہرائیں گے جو مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تسامحات پر تنقید کرتے ہوئے کہی تھی:

> ''میرا تو مقصود ہی اس سے ؏ ''حدی را تیز ترمی خواں چو ذوقِ نغمہ کم یابی تھا۔'' یہی بتانا چاہتا تھا کہ خواہ وہ ہماری جماعت ہی کا آدمی کیوں نہ ہو۔ لوگوں میں اس کی بڑائی جس حد تک بھی مسلم ہو۔ لیکن حق کا قدم جب درمیان میں آئے گا تو پھر کسی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ "ولو ان فاطمة بنت محمد ،اعاذها اللّٰه تعالى سرقت لقطعت يدها" ہمارے دین کا امتیازی نشان ہے۔''

(پرانے چراغ، حصہ اول، ص ۸۷)

ہم سب سے پہلے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اکابر سے گزارش کرتے ہیں کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب وفاق کی ''مجلس عاملہ'' کے رکن ہیں۔ لہٰذا وہ حضرات انہیں فکری کجروی سے روکیں، اکابر دیوبند کے طرز فکر پر رہنے کی تلقین کریں اور اس کی پاسداری کا ان کو پابند بنائیں۔

اسی طرح ہمیں ''مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ'' کے اصحاب اہتمام سے بھی شکوہ ہے کہ ان کے شیخ الحدیث کی نگرانی میں اسلامی حدود سے تجاوزات اور انہیں موضوع بحث بنا کر جس انداز سے چیلنج کیا جا رہا ہے۔ یہ اکابر دیوبند کے طرز و اسلوب سے بھی میل نہیں کھاتا اور نہ ہی مدرسہ نصرۃ العلوم کے اکابر کے مزاج و مذاق اور اسلوب سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس پر انہوں نے ابھی تک کسی قسم کا نوٹس نہیں لیا۔ وہ انہیں سمجھائیں اور نصرۃ العلوم کے دینی و مسلکی وقار کو برقرار رکھیں۔

(بشکریہ: ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان، ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق مارچ 2009ء)

مولانا زاہدالراشدی کا استعفیٰ:

باسمه سبحانه

بگرامی خدمت مخدومنا المکرّم حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت فیوضکم صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   مزاجِ گرامی؟

گذارش ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے آرگن ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارے میں ماہنامہ الشریعہ کی پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے راقم الحروف کے بارے میں لکھا گیا

ہے کہ

......میں اکابر کی راہِ مستقیم سے الگ ہو رہا ہوں۔

......اسلامی احکام کی حقیقی صورت مسخ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

......فکری کج روی پھیلا رہا ہوں۔

ظاہر بات ہے کہ وفاق المدارس کے آرگن میں شائع ہونے کی وجہ سے میرے بارے میں یہ رائے وفاق کے اکابر اور قیادت ہی کی تصور کی جائے گی اور کی جا رہی ہے۔ اس صورت حال میں میرے لیے دیانتاً اس بات کا کوئی جواز باقی نہیں رہا کہ اس خالصتاً مسلکی تعلیمی ادارے میں کسی ذمہ دارانہ حیثیت کے ساتھ کوئی خدمت جاری رکھ سکوں۔

وفاق المدارس کی مجلس عاملہ نے دستور کمیٹی اور تخصصات کے نصابات کا جائزہ لینے کے حوالے سے کچھ ذمہ داریاں میرے سپرد کر رکھی تھیں، جن پر کام جاری تھا مگر اس مضمون کی اشاعت کے بعد میں نے وہ کام روک دیا ہے اور آئندہ کے لیے مجلس عاملہ کی رکنیت اور کمیٹیوں کی مسئولیت دونوں حوالوں سے خدمت جاری رکھنے سے معذرت خواہ ہوں۔ اس سے قبل تھوڑا بہت جو کام ہو چکا تھا اس کی ادھوری سی رپورٹیں اس عریضہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

اب تک مجھے آنجناب کی جو شفقت حاصل رہی ہے اس پر آنجناب کا بے حد شکر گزار ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ کی مشفقانہ دعاؤں سے آئندہ بھی فیض یاب ہوتا رہوں گا۔ شکریہ!

والسلام......ابوعمار زاہد الراشدی......۷/اپریل ۲۰۰۹ء

☆......☆......☆......☆

عاملہ کے اجلاس میں شرکت کی دعوت اور مولانا راشدی کا جواب:

مولانا زاہد الراشدی صاحب کی طرف سے استعفیٰ پیش کیے جانے کے بعد اپریل ۲۰۰۹ میں ہونے والے ہونے والے اجلاس عاملہ میں شرکت کی دعوت دی گئی، لیکن مولانا زاہد الراشدی نے شرکت فرمانے کی بجائے تحریری طور پر وضاحت لکھ کر ارسال فرما دی۔ اس وضاحت کو مجلس عاملہ کے اجلاس میں سنایا گیا۔

اکابر علماء پر مشتمل کمیٹی کا قیام:

عاملہ کے اس اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ اکابر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے، جو اس سلسلہ میں مولانا زاہد الراشدی صاحب سے بات چیت کرے۔ چنانچہ کمیٹی کے ارکان کی تعیین کر کے ان کو درج ذیل مکتوب کے ذریعہ اطلاع دی گئی۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

گرامی قدر حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب زید مجدہم، مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہم، صدر دار العلوم کے ایریا کورنگی کراچی

گرامی قدر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم، نائب صدر دار العلوم کے ایریا کورنگی کراچی

عنوان: ماہنامہ ''الشریعۃ'' پر تبصرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماہنامہ ''الشریعۃ'' (جو الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ سے حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ کی زیر سرپرستی شائع ہو رہا ہے) پر ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے شمارہ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ میں تبصرہ شائع ہوا۔ جس پر حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اپنے قلم سے تحریر کردہ بارہ صفحات پر مشتمل ''ارباب علم ودانش کی عدالت میں ''الشریعۃ'' کا مقدمہ'' کے عنوان سے وضاحتی مکتوب ارسال فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت اقدس صدر الوفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کے اراکین میں آنجناب کے علاوہ احقر بھی شامل ہے، یہ کمیٹی جلد ہی حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو کرے گی۔ ملاقات کی تاریخ، وقت اور مقام کا تعین کر کے آپ حضرات کو مطلع کر دیا جائے گا۔

ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کا شمارہ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ اور حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب کے وضاحتی جواب کی نقل بغرضِ مطالعہ آپ حضرات کی خدمت میں ارسال ہیں۔ والسلام محمد حنیف جالندھری

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان......۱۹/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ......۱۷/اپریل ۲۰۰۹ء

☆......☆......☆......☆

ارکانِ کمیٹی کو اطلاع دینے کے بعد مولانا حنیف جالندھری صاحب کی طرف سے مولانا زاہد الراشدی صاحب کو کمیٹی کے قیام اور مقصدِ قیام کی اطلاع دیتے ہوئے وقت نکالنے کی گزارش کے لیے درجِ ذیل مکتوب ارسال فرمایا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بخدمت گرامی حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اُمید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

ہماری خواہش اور درخواست تو یہ تھی کہ جناب والا ۸/اپریل ۲۰۰۹ء کو وفاق المدارس العربیہ

پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں بنفسِ نفیس شرکت فرماتے اور ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں ''الشریعہ'' پر کیے جانے والے نقد ونظر کے حوالے سے اپنا موقف اور رائے ارکانِ عاملہ کے سامنے خود بیان فرماتے تاکہ حاضرین اپنے اشکال یا استفسار کا جواب بھی براہِ راست آپ سے سُن لیتے۔ تاہم آپ نے اس کی بجائے استعفیٰ اور ''الشریعہ'' کے تحریری دفاع کو ترجیحاً اختیار فرمایا۔

بندہ نے آپ کا تحریر فرمودہ جواب لفظ بلفظ اجلاس میں پڑھ کر سنایا اور حضرات کو آپ کے استعفیٰ کی افسوسناک اطلاع سے بھی آگاہ کیا۔

اس پر مجلس عاملہ کے ارکان نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ آپ کے استعفیٰ، ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے نقد ونظر اور آپ کے جواب کے باعث جو صورتحال پیدا ہوئی ہے اس میں مکالمہ اور باہمی افہام وتفہیم کے لیے بالمشافہ ملاقات ضروری ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے صدرِ وفاق شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے، جس کے ارکان حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی مدظلہم، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہم اور راقم السطور ہیں۔ کمیٹی کا اجلاس کراچی میں ہونا طے پایا ہے۔ اس سلسلہ میں آنجناب سے التماس ہے کہ اپنی مصروفیات کا لحاظ رکھتے ہوئے ذرا توسع کے ساتھ کچھ تاریخوں کا تعین فرما دیں جن میں اجلاس بلایا جاسکے۔ ان شاء اللہ آپ کی مجوّزہ تاریخوں میں سے کوئی ایک دن اجلاس کے لیے مقرر کرلیا جائے گا۔

براہِ کرم جواب سے جلد مطلع فرمائیں تاکہ کمیٹی کے دیگر ارکان کی مشاورت سے اجلاس کی تاریخ طے کی جاسکے اور آپ کو اطلاع دی جاسکے۔ اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ والسلام......محمد حنیف جالندھری

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان......۴/مئی ۲۰۰۹ء......۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

☆......☆......☆......☆

مولانا راشدی کا جوابی مکتوب:

مولانا زاہد الراشدی صاحب نے کمیٹی کے سامنے پیش ہونے سے انکار کرتے ہوئے استعفیٰ کا فیصلہ برقرار رکھا۔ اور قاری محمد حنیف صاحب کو درج ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

خطیب: ابوعمار زاہد الراشدی

باسمہ سبحانہ...... برادرم مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی؟

آپ کا گرامی نامہ وفاق کی مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کی کاروائی کے ساتھ موصول ہوا، اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ میں یہ بات ابھی تک نہیں سمجھ پایا کہ ''وفاق المدارس'' میں ایک فیصلہ صادر ہوجانے اور اس کے ملک بھر میں عمومی اعلان کے بعد مجلس عاملہ کو عدالتی کٹہرہ بنانے میں کیا افادیت تھی اور اب اکابر علماء کی جیوری قائم کرنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے؟ میں آپ سب بزرگوں کا خادم ہوں اور اس قضیہ سے ہٹ کر جہاں بھی طلب کریں سر کے بل قدم بوسی کے لیے حاضری کے لیے تیار ہوں، مگر اس معاملہ میں مجھے شرحِ صدر نہیں ہے اور میں کسی مزید پیش رفت کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار نہیں پاتا۔

باقی رہی بات ''استعفیٰ'' کی تو میں نے اس میں وضاحت کردی ہے کہ ''وفاق المدارس'' کے ذریعہ میرے بارے میں وفاق کی قیادت کی رائے صادر ہوجانے کے بعد میرے لیے دیانتًا اس بات کا جواز باقی نہیں رہا ہے کہ میں وفاق المدارس کے لیے کوئی خدمت باضابطہ طور پر سرانجام دوں، میرے خیال میں یہ صورت حال جوں کی توں موجود ہے، اس لیے میری معذرت بھی بدستور قائم ہے۔ شکریہ!

والسلام......زاہد، مرکزی جامع مسجد، گوجرانوالہ......۲۰ رمئی ۲۰۰۹ء

☆......☆......☆......☆

عاملہ کے اگلے اجلاس میں شرکت کی دعوت اور مولانا راشدی کا جواب:

اس کے بعد اوائل جنوری ۲۰۱۰ء میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کو وفاق کی مجلس عاملہ میں شرکت کے لیے دعوت نامہ بھیجا گیا، جس کے جواب میں مولانا راشدی صاحب کا یہ مکتوب موصول ہوا۔ جس میں نہ صرف کمیٹی کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا، بلکہ اپنے تحریری موقف کو اول و آخر موقف قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ: اس میں کسی قسم کی نظرِ ثانی کے لیے بھی تیار نہیں ہوں۔ اور استعفیٰ کی بابت فرمایا کہ: اگر اکابر علماء کی کمیٹی اس موقف سے مطمئن ہوجائے اور اسی موقف کے ساتھ مجھے وفاق کی باضابطہ خدمت کے لیے قبول کرلے تو ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں اس موقف کی من وعن اشاعت کے بعد میں حسب سابق ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ مولانا راشدی صاحب کا مکتوب ملاحظہ فرمائیے!

باسمہ تعالیٰ

بگرامی خدمت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب زیدت مکارمکم ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی؟

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۱۷۔۱۸ جنوری ۲۰۱۰ء بمقام کراچی کا دعوت نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا تہہ دل سے شکریہ!

۱۸/جنوری پیر کو جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کا سہ ماہی امتحان ہے جو ایک روزہ تقریری امتحان ہوتا ہے اور ناظم تعلیمات وصدر ممتحن کی حیثیت سے اس موقع پر میری مدرسہ میں حاضری ضروری ہوتی ہے، اس لیے اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی کا سفر نہیں کر سکوں گا۔

ویسے بھی جب تک میرے بارے میں وفاق المدارس کی قیادت کا ذہن صاف نہیں ہو جاتا اس وقت تک مجلس عاملہ کی رکنیت برقرار رکھنے اور اس کے کسی اجلاس میں شرکت کے حوالہ سے مجھے شرح صدر نہیں ہے۔

اس لیے کہ اس سلسلہ میں وفاق کی ساری کاروائی میری معذرت کے گرد گھوم رہی ہے اور ''وفاق المدارس'' میں شائع ہونے والے مضمون کا نہ تو اب تک کوئی نوٹس لیا گیا ہے اور نہ ہی اس کی کسی درجہ میں کوئی وضاحت کی گئی ہے جس سے عمومی تاثر یہی بنتا ہے کہ وہ مضمون صرف مضمون نگار کا موقف نہیں ہے بلکہ وفاق المدارس کی قیادت کی خاموش توثیق بھی اسے حاصل ہے۔

میں نے اس حوالہ سے اپنے موقف کی وضاحت ماہنامہ الشریعہ کے مئی وجون ۲۰۰۹ء کے مشترکہ شمارے میں ''ارباب علم دانش کی عدالت میں الشریعہ کا مقدمہ'' کے عنوان سے کر دی تھی جس کی ایک کاپی اس عریضہ کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں، یہ میرا اول وآخر موقف ہے جس میں کسی قسم کی نظر ثانی کے لیے میں تیار نہیں ہوں۔

اکابرِ وفاق کی ''کمیٹی'' کے سامنے یہ موقف پیش کر دیا جائے، اگر وہ اس سے مطمئن ہوں اور اس موقف کے ساتھ ''وفاق المدارس'' میں کسی باضابطہ خدمت کے لیے میں قابل قبول ہوں تو میرے اس وضاحتی مضمون کو من وعن ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں شائع کر دیا جائے، میں ان شاء اللہ تعالیٰ حسبِ سابق ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں گا، بصورت دیگر میری معذرت کو قبول کر لیا جائے اور اس مسئلہ کو یہیں سمیٹ دیا جائے۔ البتہ کسی باضابطہ ذمہ داری کے بغیر غیر رسمی طور پر میں آپ سب بزرگوں کا حسب سابق خدمت گزار رہوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

صدر گرامی، ارکانِ عاملہ اور دیگر سب بزرگوں اور احباب کی خدمات عالیہ میں سلام مسنون اور دعاؤں کی درخواست عرض ہے۔ شکریہ!

والسلام......ابو عمار زاہد الراشدی......خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ......۱۵/جنوری ۲۰۱۰ء

☆......☆......☆......☆

عاملہ کے اجلاس میں بات چیت کے ذریعے معاملہ حل کرنے کا فیصلہ:

مولانا زاہد الراشدی صاحب کی طرف صاف اور کورے جواب کے باوجود مجلس عاملہ کے اجلاس

میں اس معاملے کو بات چیت وافہام وتفہیم کے ذریعے ہی حل کرنے کا فیصلہ کیا گیا، جس بنا پر کمیٹی کو یہ مکتوب ارسال کیا گیا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

گرامی قدر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب زید مجدہم، مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہم، صدر دارالعلوم کے ایریا کورنگی کراچی

گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم، نائب صدر دارالعلوم کے ایریا کورنگی کراچی

عنوان: تبصرہ ماہنامہ ''الشریعۃ''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی بخیر!

ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے شمارہ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ میں ماہنامہ ''الشریعۃ'' پر تبصرہ ہونے پر مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ کے استعفیٰ کے پیش نظر حضرت اقدس صدر الوفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی سربراہی میں آپ حضرات اور احقر پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنا تھی جو تادم تحریر موخر ہے۔

وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے حالیہ اجلاس منعقدہ یکم و۲/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۷و۱۸/جنوری ۲۰۱۰ء بمقام جامعہ فاروقیہ فیز-II کراچی میں معاملہ ہٰذا زیر بحث آیا، جس میں فیصلہ ہوا کہ تشکیل کردہ کمیٹی ایک مرتبہ پھر مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ سے ملاقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے، تاکہ معاملہ ہٰذا کو نبٹایا جاسکے۔

تبصرہ اور دیگر کاغذات لف ہٰذا ہیں۔ والسلام محمد حنیف جالندھری......

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان......۱۷/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ......۲/فروری ۲۰۱۰ء

☆......☆......☆......☆

لیکن مولانا زاہد الراشدی صاحب کی طرف سے انکار اور انکار پر اصرار کے بعد خاموشی اختیار کر لی گئی۔ آئندہ قسط میں ان شاء اللہ گزشتہ بحث کا خلاصہ ذکر کر کے اس پر تبصرہ کیا جائے گا۔ (جاری ہے۔۔۔۔)

احسن خدامی

مشاہدات بجواب شواہدات

......قسط ۵......

باطل فرقوں کی کتابوں پر تقاریظ:

پچھلی قسط میں ہم نے ایک امریکی مصنف کی نظریہ جہاد کو مسخ کرنے اور الحاد کو اسلام کے روپ میں پیش کرنے والی کتاب پر جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کے ''پیش لفظ'' پر چند گذارشات عرض کی تھیں۔ غلط عقائد و نظریات پر مشتمل کسی کتاب پر یہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کی واحد تقریظ نہیں ہے بلکہ ایسی کتب پر آپ کی تقاریظ کی ایک فہرست ہے جس کا ذکر کرکے جناب مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے ''نوازشات'' میں اس پر تنقید کی ہے۔ اس قسط میں ہم جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کی اس عادت اور رویے پر عمومی طور پر بحث کریں گے اور اس کے بعد ان شاء اللہ ان تمام تقاریظ پر بھی ایک اچٹتی سی نظر ڈالیں گے۔

تقریظ کسی کتاب کی ثقاہت اور تائید کے لیے ہوتی ہے اور تقریظ کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب اگر غیر معروف شخصیت ہو تو معروف اور معتبر اشخاص کی تائید کے بعد اسے بھی ثقاہت کا مقام حاصل ہو جائے، یا کتاب میں درج ابحاث اور نتائج کی مسلّم اہل علم کے ذریعے توثیق ہو جائے۔ جس طرح کسی اچھی کتاب پر تقریظ لکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے آگاہ ہو کر نفع اٹھاتے ہیں اسی طرح جب کسی غلط عقیدے والے آدمی کی غلط عقائد پر مبنی کتاب پر تقریظ تحریر کی جائے گی تو اس کا نتیجہ بھی اس شخص اور اس کے فاسد نظریات کی توثیق کے علاوہ کچھ نہیں نکلے گا۔ ضد اور ہٹ دھرمی کو خدا غارت کرے، کہ اتنی سادہ اور واضح سی بات پر بھی جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب، جناب مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب سے دست و گریبان ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ باطل فرقوں کی کتابوں پر تقاریظ لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور وہ اکابر علمائے دیوبند کو بھی اپنا ہمنوا ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔

جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے جن کتابوں کو اپنی تقاریظ سے نوازا ہے، ان میں سے ایک کتاب مبینہ قادیانی قاضی عطاء کی، ایک خود مولانا زاہد الراشدی صاحب کے بیٹے عمار خان ناصر کی، ایک مودودی کی اور ایک بریلوی کی ہے۔ ان تقاریظ کی صفائی پیش کرتے ہوئے بھی جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب اور جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب ابہام اور تضاد بیانی کا شکار ہیں۔ باقی سب کتابوں پر تقاریظ کے

معاملے میں ان کا موٴقف ہے کہ اہل باطل کی کتابوں پر تقریظ لکھنے میں کوئی حرج نہیں اور علمائے دیوبند پہلے بھی اہل باطل کی کتابوں پر تقاریظ لکھتے چلے آئے ہیں، جبکہ مبینہ قادیانی، قاضی عطاء کی کتاب پر تقریظ کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ یہ شخص قادیانی نہیں ہے، اور اگر یہ قادیانی ثابت ہوجائے تو وہ اپنی تقریظ واپس لینے کے لیے تیار ہیں۔ یہ دونوں موٴقف آپس میں متضاد ہیں۔ اگر ان کے نزدیک واقعی باطل فرقوں کی کتابوں پر تقریظ لکھنے میں کوئی حرج نہیں تو پھر قاضی عطاء کے قادیانی ثابت ہونے کی صورت میں اس کی کتاب پر تقریظ پر انہیں کیا اشکال ہے؟ وہ اس صورت میں اپنی تقریظ واپس لینے پر کیوں آمادہ ہیں؟ اگر ان کا ضمیر کہتا ہے کہ قاضی عطاء کے قادیانی ثابت ہوجانے کی صورت میں اس کی کتاب پر تقریظ لکھنے سے اس کی شخصیت اور قادیانیت کی تائید ہوتی ہے، جو کہ غلط ہے، تو ہماری گزارش بھی یہی ہے کہ اسی طرح مودودیوں، بریلویوں، اور غامدیوں کی کتب پر تقاریظ لکھنے سے بھی ان سب کی تائید کا تأثر پیدا ہوتا ہے جس سے عوام الناس کے گمراہی میں مبتلا ہونے کا شدید خدشہ ہے۔ لہٰذا مولانا زاہد الراشدی صاحب کو ان تمام تقاریظ سے بھی رجوع کر لینا چاہئے اور آئندہ بھی اس قسم کی کتب پر تقاریظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اہل باطل کی کتابوں پر تقاریظ کے حوالے سے اکابر علمائے دیوبند کا طرزِ عمل:

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب کا مضمون پڑھ کر اندازہ ہوا کہ کس طرح ضد اور ہٹ دھرمی اچھے خاصے انسان کو رسوا کر کے رکھ دیتی ہے۔ کسی معمولی عقل کے آدمی سے بھی پوچھو کہ غلط عقیدے والے شخص یا غلط نظریات پر مشتمل کتابوں پر تقریظ لکھنی چاہئے یا نہیں؟ تو وہ یہی کہے گا کہ نہیں۔ مگر ''الشریعہ'' کے متوالوں کی عقل و دانش نرالی ہے کہ وہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں کہ اہل باطل کی کتابوں پر تقاریظ لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور نہ صرف وہ غیر مشروط طور پر اس کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اکابر علمائے دیوبند کو بھی کھینچ کھانچ کر اپنے اس خیال پر فٹ کرنے کی سر توڑ کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کا ہر معاملے کی طرح یہاں بھی طریقہ کار یہی ہے کہ اپنی مرضی کے خلاف ساری دنیا بھی اکھٹی ہوجائے تو بڑے آرام سے ٹھکرا دیتے ہیں، اور اپنی مرضی کے مطابق کسی کا بھی، کسی دور دراز مقام سے، کوئی شاذ یا متروک حوالہ بھی مل جائے تو نہ صرف اسے لے کر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں بلکہ اسے جمہور اکابر کا طرزِ عمل قرار دینے سے بھی ذرا نہیں شرماتے۔

اکابر علمائے دیوبند کا عمومی طرزِ عمل اہل باطل کی کتابوں پر تقاریظ کے سلسلے میں سختی سے اجتناب کا ہی ہے اور اس رویے کی ایک دنیا شاہد ہے۔ آٹے میں نمک کے برابر اگر دو چار تقاریظ دیگر فرقوں کی کتابوں پر ملتی بھی ہیں تو وہ شاذ کا درجہ رکھتی ہیں اور ان میں بھی کسی خاص مناسبت سے اہل حق کے مسلک ہی کی ترجیح کا پہلو نکلتا ہے یا کم از کم باطل نظریات کی تائید نہیں ہوتی۔ جبکہ جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب گویا ہر وقت

گمراہ لوگوں کی کتابوں پر تقریظ لکھنے کے انتظار میں رہتے ہیں، تقریظ میں زور و شور سے ان کی تائید کرتے اور ان کے فضائل بیان کرتے ہیں، اور اس کتاب کی خرابیوں پر یا تو بالکل ہی خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور یا سرسری سے انداز میں یوں ہلکا سا اور ''نیمے دروں نیمے بروں'' قسم کا اشارہ کرتے ہیں کہ تعریف و توصیف کے شور و غل میں وہ بھی کان لم یکن ہو کر رہ جاتا ہے۔

گمراہ کن نظریات پر مبنی کتاب پر تقریظ تحریر کرنا گمراہی کی تائید اور قرآنی حکم ''**ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان**'' کے خلاف ہے۔ اکابر علمائے دیوبند میں سے بعض نے جو گنتی کی چند تقاریظ دوسرے فرقوں کی کتب پر تحریر کی ہیں، ان کتب میں کسی غلط عقیدے کو بیان نہیں کیا گیا، اور اگر کسی کتاب میں کوئی غلط اور گمراہ کن بات آئی ہے تو اس پر تحریر کی گئی تقریظ میں اس کا رد بھی کیا گیا ہے جس سے اس میں ''**تعاون علی الاثم والعدوان**'' کی بجائے ''**تامرون بالمعروف و تنھون علی المنکر**'' کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ بایں ہمہ دیگر فرقوں کی ہزاروں کتب پر اکابر علمائے دیوبند کی تقاریظ اس قدر کم ہیں کہ انہیں شاذ و نادر کے درجے سے بڑھا کر اکابر علمائے دیوبند کے طرزِ عمل سے تعبیر کرنا اکابر کے ساتھ شدید زیادتی ہے۔

دوسری طرف ہم آگے چل کر تفصیل سے بتائیں گے کہ کس طرح جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کی تقریظ یافتہ کتابیں زیغ و ضلال سے لبریز ہیں اور جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب تقریظ میں اس پر کوئی گرفت نہیں فرماتے بلکہ قاری تقریظ میں سراسر کتاب کی تحسین کا پہلو ہی محسوس کرتا ہے۔

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب نے غالباً ''غلبۂ حال'' کی کیفیت میں اہل حق کی کتابوں پر اہل باطل کی تصدیقات کو بھی اپنی تائید میں پیش کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''جب آپ اہل باطل سے تقاریظ لکھواتے ہیں تو اب ان کی کتابوں پر تقریظ نہ لکھنے کا آپ کے پاس کیا جواز ہے؟''۔ سبحان اللہ! گویا کہ اگر کوئی قادیانی حافظ اسامہ مدنی صاحب کی دعوت پر مسلمان ہو جاتا ہے تو اب حافظ اسامہ مدنی صاحب بھی اس کے جواب میں قادیانی ہو جائیں گے اور یوں گوہر فشانی فرمائیں گے کہ: ''جب ایک قادیانی میری دعوت قبول کر کے مسلمان ہو گیا تو اب میرے پاس ان کی دعوت قبول نہ کرنے کا آخر کیا جواز ہے......؟''۔

اسی ''غلبۂ حال'' کی کیفیت میں جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب نے دور دراز کی وادیوں سے ایسے ایسے نکات تلاش کئے ہیں کہ انسان ورطۂ حیرت میں غوطے کھانے لگتا ہے، مثلاً اپنے ایک استدلال کا تانا بانا یوں جوڑتے ہیں کہ:

۱......جناب مولانا قاضی مظہر حسینؒ صاحب مسلک دیوبند کے بے لوث اور بے لچک راہنما تھے۔

۲......اور مولانا قاضی مظہر حسینؒ صاحب نے جناب مولانا نافع صاحب کی کتابوں کی بڑی تعریف کی ہے۔

۳......اور مولانا نافع صاحب کی کتابوں پر بریلویوں، غیر مقلدوں کی تقاریظ بھی موجود ہیں۔

۴......لہٰذا دیوبندیوں کو بھی ان سب کی کتابوں پر تقاریظ لکھنی چاہئیں۔

ہمیں تو یہ استدلال پڑھ کر دروس البلاغہ کے سبق میں تعقید معنوی کی مثال کے طور پر اساتذۂ کرام سے سنا ہوا یہ شعر یاد آ گیا کہ:

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

بعض کتابوں پر لکھی گئی تقاریظ سے اکابر علمائے دیوبند کا رجوع:

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب کا کہنا ہے کہ اکابر علمائے دیوبند بھی باطل فرقوں کی کتب پر تقاریظ لکھتے رہتے تھے جبکہ ہم بڑے ادب سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اکابر علمائے دیوبند کا عمومی واجتماعی طرزِ عمل نہ صرف ایسی کتابوں پر تقاریظ سے اجتناب کا ہے بلکہ اگر لاعلمی کی بناء پر کسی نے ایسی کسی کتاب پر تقریظ لکھ بھی دی تو نہ صرف اس سے علی الاعلان رجوع کیا گیا بلکہ تقریظ پر قائم رہنے والوں کے خلاف اکابر نے زبردست نوٹس بھی لیا۔ مثال کے طور پر عرب کے ایک بدعتی ''محمد علوی مکی مالکی'' کی کتاب کا ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' کے نام سے پاکستان میں شائع کیا گیا اور پاکستان کے بہت سے علماء نے اس پر تقاریظ تحریر کیں تو قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، امین ملت حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ، فقیہ وقت حضرت مولانا عبد الشکور ترمذیؒ، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور حضرت مولانا مفتی عبد الواحد صاحب جیسے اکابر نے اس کا زبردست تعاقب کیا۔ حضرت اقدس حضرت سید نفیس شاہ صاحبؒ نے اس کتاب پر لاعلمی کی بناء پر تحریر کی گئی اپنی تقریظ سے علی الاعلان ''انوارِ مدینہ'' میں رجوع فرمایا جبکہ مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کے خلاف اس وقت تک مختلف مجلّات میں اکابر کے مضامین چھپتے رہے جب تک انہوں نے اس تقریظ سے بقول خود رجوع نہیں کر لیا۔ اس رجوع کو بھی اس کے مبہم اور گول مول الفاظ کی بناء پر دار العلوم کراچی کے دار الافتاء اور مذکورہ بالا اکابر علمائے کرام نے تسلیم کرنے سے انکار کیا جبکہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ نے تو یہاں تک لکھا کہ:

''جب تک مولانا عزیز الرحمٰن صاحب واضح الفاظ میں رجوع نہیں کرتے تب تک ہم انہیں سابق دیوبندی کہتے رہیں گے۔''

اہل باطل کی کتابوں پر تقاریظ کے حوالے سے اس قدر حساس ہونے کے باوجود اگر حافظ اسامہ مدنی صاحب اکابر علمائے دیوبند کو اپنا ہمنوا قرار دیتے ہیں تو ہم ان کے لیے ہدایت کی دعا کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں؟

ایک درخواست:

جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب اگر اب بھی غیر مشروط طور پر اہل باطل کی کتابوں پر تقاریظ لکھنے کو درست کہتے ہیں تو ہماری ان سے دست بستہ درخواست ہے کہ ازراہِ کرم وہ اپنے ممدوح جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب سے غلام احمد پرویز، خمینی اور مرزا قادیانی کی کتابوں پر بھی تقاریظ لکھوا کر لے آئیں تاکہ تقاریظ کے اس چشمۂ فیض سے کسی کو بھی تشنہ کامی کی شکایت نہ رہے، بقول جگر:

یہ میکدہ کی، یہ ساقی گری کی ہے توہین　　کوئی ہو جام بکف، کوئی شرمسار آئے

قارئین کرام! تقاریظ کے حوالے سے عمومی طور پر ہم کافی بحث کر چکے ہیں، آیئے اب جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کی تحریر کردہ متنازعہ تقاریظ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

مبینہ قادیانی قاضی عطاء کی کتاب پر تقریظ:

پسرور کے ایک قادیانی خاندان سے تعلق رکھنے والے شاعر قاضی عطاء نے اپنی سمجھ کے مطابق قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کیا جو قادیانیوں کے ترجمہ سے ملتا جلتا اور بے شمار اغلاط پر مشتمل ہے۔اس پر جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب نے تقریظ لکھی جس پر جناب مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب سمیت بہت سے علمائے کرام کو اعتراض اور اشکال ہے۔حافظ اسامہ مدنی صاحب نے اپنے مضمون شواہدات میں اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ہم آگے چل کر عرض کریں گے کہ کس طرح یہاں بھی حسبِ عادت وحسبِ ''ذہانت'' انہوں نے اصل بات کو گول کر کے بحث کا رخ دوسری طرف موڑنا چاہا ہے۔قاضی عطاء کے بارے میں بہت سے علمائے کرام وواقفین حال کا کہنا ہے کہ وہ قادیانی ہے جبکہ قاضی عطاء اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اور کچھ حضرات اس کے اقرار پر اعتبار بھی کرتے ہیں۔ایک طرف قاضی عطاء کے دعوے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، جبکہ دوسری طرف بہت سے قرائن وشواہد اس کی در پردہ قادیانیت کی چغلی بھی کھاتے ہیں۔ہم ان سطور میں دونوں قسم کے شواہد کو پیش کرنے کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھائیں گے۔

قاضی عطاء کے مسلمان ہونے پر مندرجہ ذیل باتیں دلالت کرتی ہیں کہ:

۱......: وہ واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اپنے مسلمان ہونے، عقیدہ ختم نبوت پر ایمان رکھنے اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دجال وکذاب ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

۲......: مفتی رشید احمد صاحب پسروریؒ (بقول مولانا زاہد الراشدی صاحب) اسے مسلمان تسلیم کرتے تھے۔

۳......: پسرور کے بعض علمائے کرام بھی اسے مسلمان کہتے ہیں۔

جبکہ مندرجہ ذیل باتیں اس کے اسلام پر سوالیہ نشان کھڑا کرتی ہیں کہ:

۱......: حضرت نفیس شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں اس شخص اور اس کے خاندان کو ذاتی طور پر جانتا ہوں، یہ قادیانی ہے اور اس کا اسلام کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

۲......: اس کا باپ قاضی ظہور اللہ پسرور میں قادیانیوں کا انتہائی متحرک اور متعصب مبلغ تھا، اس کا سارا خاندان اور سسرال قادیانی ہے اور اس کی شادی بھی مرزائیت کی بناء پر ہی ہوئی تھی۔

۳......: اس کا بیٹا ظہور الٰہی اپنے والد کو مسلمان تسلیم نہیں کرتا اور اس کا کہنا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کا مکمل خرچ قادیانیوں نے اٹھایا ہے۔ یاد رہے کہ قاضی عطاء نے بھی اپنی کتاب کی ایک جلد کا انتساب ’’نام نہ ظاہر کرنے والے ایک مخیرؓ‘‘ کے نام کیا ہے۔

۴......: ماہنامہ لولاک مئی 2007ء اور ماہنامہ نقیب ختم نبوت جون 2007ء میں اس کو قادیانی قرار دیا گیا۔

۵......: ترجمہ میں اکثر مقامات پر اہل سنت والجماعت کے بجائے مرزا بشیر الدین محمود کے ترجمہ کی پیروی کی گئی ہے، اور اس ترجمہ کو ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا ہے۔

۶......: اس کتاب کی تقریب رونمائی میں چناب نگر اور سیالکوٹ کے قادیانی شریک تھے۔

۷......: مولانا مشتاق چنیوٹی صاحب نے جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کے کہنے پر اس کی کتاب کا مطالعہ کیا تو قاضی عطاء کو قادیانی قرار دیا۔

۹......: مولانا عبد الحق خان صاحب بشیر نے قاضی عطاء کی کتاب کے مطالعے کے بعد فرمایا کہ اس کی بہت سی باتوں سے قادیانیوں کی حمایت کا تأثر پیدا ہوتا ہے۔

قارئین کرام نے قاضی عطاء کی قادیانیت پر دونوں طرف کے شواہد ملاحظہ کر لئے۔ ہم اس وقت اس بات پر بحث نہیں کرتے کہ قاضی عطاء کے اسلام کے دعوے میں کس قدر سچائی اور جان ہے، نہ ہی اس وقت ہمارا مدعا اس پر قادیانیت کا یقینی فتویٰ لگانا ہے، ہم تو اس وقت صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس قدر مشتبہ اور مشکوک شخص کی اغلاط سے لبریز کتاب پر تقریظ لکھنے اور پھر اس پر ڈٹ جانے کی آخر مجبوری کیا ہے؟ جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب اپنی بحث کا سارا زور اس بات پر لگاتے ہیں کہ قاضی عطاء کو قادیانی قرار دینا درست نہیں ہے اور مندرجہ بالا شواہد اسے قادیانی قرار دینے کے لیے کافی نہیں ہیں جبکہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہمیں اعتراض قاضی عطاء کو قادیانی تسلیم نہ کرنے پر نہیں، جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب کے اس کی کتاب پر تقریظ لکھنے پر ہے۔ مندرجہ بالا شواہد اگر قاضی عطاء کو قادیانی ثابت کرنے کے لیے ناکافی ہوں تو بھی اس کی کتاب پر لکھی گئی تقریظ سے رجوع کرنے کیلئے بہت کافی ہیں۔

ایک مسلمان اپنی بیٹی کا رشتہ کسی شخص سے کرتا ہے، وہ شخص اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے

جبکہ اس کے بہت سے قریبی اور جاننے والے اسے قادیانی قرار دیتے ہیں، اب اس شخص کو قادیانی و مرتد قرار دینا ضروری نہ بھی ہو مگر اس طے شدہ رشتہ کو توڑ دینے کو تو ہر صاحب عقل و دانش ضروری خیال کرے گا۔ اس موقع پر لڑکی کے باپ کا رشتے کو برقرار رکھنے پر اصرار غلط سمجھا جائے گا اور اس کی یہ منطق تسلیم نہ کی جائے گی کہ: ''محتملات کے ذریعے کسی کا کفر ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا میں اس شخص سے اپنی بیٹی کا رشتہ توڑنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا''۔ جناب حافظ اسامہ مدنی صاحب اپنے دل پر ہاتھ رکھیں کہ اگر وہ بچی خود ان کی کوئی عزیزہ ہو تو وہ اس موقع پر کیا فیصلہ فرمائیں گے؟

قاضی عطاء ممکنہ اور مبینہ طور پر قادیانی ہونے کے علاوہ علوم اسلامیہ سے ناآشنا اور جاہل ہے، اس کی منظوم تفسیر اغلاط کا پلندہ ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں، قارئین کرام ''نوازشات'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ جبکہ تفسیر قرآن کریم ایک عظیم الشان اور دقیق فن ہے۔ ہر کہ ومہ کو اس میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر قاضی عطاء جیسے کم علم لوگ تفسیر قرآن کے ساتھ کھلواڑ کرنے پر آجائیں اور جناب مولانا زاہد الراشدی صاحب جیسے حضرات ان تفسیروں کو اپنی تقاریظ سے مزین فرمادیں تو دین اسلام کا جو بول بالا ہوگا اور علوم وفنون کے جو چشمے پھوٹیں گے، زیادہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ اللہ پاک ہی ہم لوگوں کے حال پر رحم فرمائیں۔ (جاری ہے۔۔۔)

وفیات

......شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم (جہان، سندھ) کی پھوپھو صاحبہ

......مولانا محمد عمران طیب صاحب (امام: طوبیٰ مسجد، بلاک ۸، سرگودہا) کے والد گرامی

قارئین صفدر سے جملہ مرحومین اور اُن کے پسماندگان کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

مولانا مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

......قسط نمبر ۲۰......

اگر[۱۳۵] مولانا بٹالوی[۱۳۶] رحمہ اللہ کے رسالے کی مذکورہ عبارت صحیح طور پر اور بغیر تحریف[۱۳۷] کے منقول ہے تو دیوبندی اعتراض کے چار جوابات ہیں:

۱: یہ عبارت ان جہلاء[۱۳۸] اور پیروانِ خواہش[۱۳۹] پر رد ہے، جو انکارِ تقلید[۱۴۰] کے سائے تلے اجماع امت[۱۴۱] اور فہم سلف صالحین[۱۴۲] کا ہی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ لوگ اہل حدیث[۱۴۳] نہیں، لہٰذا بٹالوی صاحب کے اس قول کا کوئی تعلق بھی صحیح العقیدہ[۱۴۴] اہل حدیث سنی سلفی اثری علماء اور متبعینِ کتاب وسنت علیٰ فہم السلف الصالحین عوام سے ہرگز نہیں۔[۱۴۵]

۱۳۵ لفظ ''اگر'' کے ذریعہ بات کو مشکوک نہ کریں۔ بندہ کی نقل کردہ عبارت صحیح ہی ہے۔ غیر مقلدین حوالہ چیک کرنا چاہیں تو کسی لائبریری کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ احمد پور شرقیہ اور اس کے قرب وجوار کے لوگ بندہ کے پاس آ کر اپنی آنکھوں سے حوالہ دیکھ سکتے ہیں۔

۱۳۶ محمد حسین بٹالوی صاحب کو زبیر علی زئی صاحب ''جماعت اہلحدیث کے اعیان وارکان'' میں تسلیم کرتے ہیں۔ [علمی مقالات، ج:۴، ص:۱۰]

۱۳۷ ہمارا نقل کردہ حوالہ صحیح ہے اور اس میں ہرگز تحریف نہیں۔ ہے کوئی غیر مقلد جو ہمارے حوالہ کو غلط یا تحریف شدہ ثابت کر دے؟ تمام آل غیر مقلدیت کو طبع آزمائی کی دعوت ہے۔

ہم یہاں بھی عرض کیے چلتے ہیں کہ تحریف تو غیر مقلدین میں پائی جاتی ہے اور اس کا خود انھیں اعتراف بھی ہے۔

عبدالحق غزنوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''آج کل ایک تفسیر عربی مولوی ثناء اللہ کشمیری الاصل امرتسری الوطن میری نظر سے گزری۔ تفسیر کیا، ایک اغلاط کا مجموعہ، تاویلات کا ذخیرہ دیکھا، تعجب ہے یونیورسٹی کے فاضل کی فضیلت اور لیاقت پر کہ الفاظ غلط، معانی غلط، استدلالات غلط بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی۔'' [اربعین صفحہ ۳

مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول]

عبداللہ روپڑی صاحب غیر مقلد، امرتسری صاحب کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولوی ثناء اللہ کی خدمت میں عرض ہے کہ...........کیا اسی کا نام تفسیر ہے؟ ایسی تفسیر کو آپ ہی تفسیر کہتے ہوں گے ورنہ دنیا تو اس کو تحریف کہتی ہے۔'' [فتاوٰی اہلحدیث جلد ا صفحہ ۷۵]

امام آل غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''اب رہی کتاب اللہ کی تحریف تو............ثنائیہ اور باطنیہ اور بابیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ گمراہ فرقوں نے بھی کی، قرآن کی ایسی تفسیریں اور تاویلیں کیں جو در حقیقت تحریف ہیں۔'' [لغات الحدیث جلد ۲ صفحہ ۱۸۴۔س]

ثنائیہ: ثناء اللہ امرتسری صاحب کے معتقدین کو کہتے ہیں۔ (خطبہ امارت، ص:۲۲ مشمولہ رسائل اہلحدیث، ج:۲)

خواجہ محمد قاسم صاحب غیر مقلد ''تحریف'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''......ایک اہلحدیث اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں: اپنی اپنی جانوں اپنی اولادوں اور اپنی عورتوں کو نظر کے لیے لکھ پڑھ کر یہ تعویذ اور جھاڑ پھونک کیا کرو۔ ترجمہ میں ''لکھنے'' کا لفظ سراسر تحریف ہے جو اہلحدیث کی شان کے لائق نہیں بلکہ بزعم خود قرآن پاک سے ثبوت لانے کے لیے ''وقیل من راق'' کا ترجمہ کرتے ہیں: کون ہے رقیہ (دم تعویذ) کرنے والا۔ ایک ترجمہ کے مطابق دم کرنا تو ٹھیک ہے، لیکن لفظ تعویذ کے اضافے سے عوام کو یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ تعویذ لکھنے اور بیچنے کا ثبوت تو قرآن پاک میں بھی ہے۔ ایسی گھٹیا حرکتیں نہیں کرنی چاہیے۔'' [تعویذ اور دم، ص؛۲۷]

مکتبہ سعودیہ (کراچی) سے غیر مقلدین نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' شائع کی تو اس میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہوئے بیس رکعات تراویح کو آٹھ رکعات سے بدل دیا۔ اور یہ بات زبیر علی زئی صاحب کے علم میں بھی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''غنیۃ الطالبین میں جو روایت سہوا یا عمدا رہ گئی، ہم اس غلطی (بلکہ تحریف [ناقل]) سے بری ہیں۔''

[تعداد رکعات قیام رمضان، ص:۱۰۵]

۱۳۸ یہ عبارت غیر مقلدین کے جُہلاء اور پیروانِ خواہش کے متعلق ہے جیسا کہ خود بٹالوی صاحب نے اس کی تصریح کر دی ہے، دیکھیے حاشیہ نمبر ۱۱۱۔

غیر مقلدین میں وافر مقدار میں جُہلاء پائے جاتے ہیں، بلکہ بعض نے تو پورے فرقے کو ''جاہل'' قرار دیا ہے۔

ابوالاشبال شاغف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ہندو پاک کے بعض ان پڑھ اور نا سمجھ اہلحدیث اور دنیا بھر میں ان کے معتقدین اس زعم میں مبتلا ہیں کہ امام بخاری بھی شیخ البانی سے کم درجہ علم رکھتے تھے۔'' [مقالات شاغف، ص:۳۲۶]

نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد نے لکھا:

''اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور ریا کار فرقہ نے جنم لیا ہے جو ہر قسم کی خامیوں اور نقائص کے باوجود اپنے لیے قرآن وحدیث کے علم اور اس پر عامل ہونے کا دعوے دار ہے۔ حالانکہ اہل علم وعمل اور اہلِ عرفان سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ فرقہ ان ''علوم آلیہ'' سے جاہل ہے جن کی واقفیت طالب حدیث کے لیے اس فن کی تکمیل میں نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی فرقہ ان ''علوم عالیہ'' سے بھی جاہل ہے جن کے بغیر طریق سنت پر چلنے کی گنجائش نہیں۔ مثلا: صرف، نحو، لغت، معانی اور بیان۔''

[الحطہ، ص:۱۵۲۔ بحوالہ حدیث اور اہلحدیث، ص:۹۹]

۱۳۹ غیر مقلدین کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ان میں ''پیروانِ خواہش'' بھی پائے جاتے ہیں۔

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''بعضے اہلحدیث...... تفسیر قرآن میں صحابہ اور سلف صالحین کا طریقہ چھوڑ کر نئے نئے معانی اور مطالب اپنی خواہش نفس کے موافق نکالتے ہیں۔'' [لغات الحدیث، ج:۱، ص:۲۱۔د]

وحید الزمان صاحب اپنے غیر مقلدین کے متعلق مزید لکھتے ہیں:

''قرآن کی تفسیر، صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں۔'' [لغات الحدیث، ج:۲، ص:۹۱۔ش]

۱۴۰ ''انکار تقلید'' کا لفظ لکھ کر علی زئی صاحب تسلیم کر گئے کہ بٹالوی صاحب نے جن ''جہلا اور پیروانِ خواہش'' کا رد کیا ہے، وہ ''غیر مقلدین'' ہی ہیں۔ اور اگلی بات کا ثبوت ہم پیش کریں گے کہ غیر مقلدین سے مراد ان کا وہ طبقہ ہے جنھوں نے اپنا نام ''اہلحدیث'' الاٹ کرایا ہے۔

۱۴۱ اجماعِ امت کا انکار بھی نام نہاد اہلحدیثوں میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم ان کی کتابوں سے متعدد عبارات حاشیہ نمبر ۸۷ میں نقل کر آئے ہیں۔

۱۴۲ نام نہاد اہلحدیث فہم سلف کا جس قدر انکار کرتے ہیں، اسے اگر جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ بطورِ نمونہ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

عبد العزیز (سیکرٹری جمعیۃ مرکزیہ اہلحدیث ہند) لکھتے ہیں:

''آہ! آج اہلحدیث کی حالت یہ ہے کہ جو شخص مذہب اہل حدیث میں معتزلہ ومتکلمین کی تاویلات وتحریفات کی آمیزش کر کے اس کو اہلحدیث کی طرف سے پیش کرے، اس کے لیے کوئی ملامت

نہیں ہے! جو شخص صحابہ کرام کی تفسیر کو چھوڑ کر ابو مسلم معتزلی کی تفسیر کو اپنی کتاب کے لیے مایہ ناز سمجھتا ہو، اس پر کوئی انکار نہیں ہے!! جو شخص تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام محدثین کرام کے مسلک کے خلاف صفات باری تعالیٰ میں معتزلہ اور متکلمین کی تاویلات کو رائج کرتا ہو، اس کے لیے کوئی زجر و توبیخ نہیں ہے۔''

[فیصلہ مکہ، ص:۲۴، مشمولہ رسائل اہلحدیث، ج:۱]

محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ تقلید مذموم نہیں، محمود ہے اور یہ سلف صالحین کا عمل ہے جو خیر القرون میں پایا گیا ہے اور اس تقلید کے ترک کا دعویٰ اہلحدیث ہونے کو لازم نہیں ہے۔[اشاعۃ السنۃ، ج:۱۱، ص:۳۲۳]

بٹالوی صاحب کی تصریح کے مطابق تقلید محمود سلف صالحین کا عمل ہے، جبکہ غیر مقلدین تقلید کو شرک وبدعت کہتے ہیں۔

علی زئی صاحب کے دادا استاذ ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد، اسلاف سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بس یہ میرا عقیدہ ہے، چاہے کوئی متقدمین ومتاخرین سے اس کا قائل ہوا یا نہ۔ میرے لیے نص قرآنی بس ہے، میں انہی معنیٰ سے غیر مقلد (اہلحدیث) ہوں۔'' [مظالم روپڑی، ص:۲۳، مشمولہ رسائل اہلحدیث، ج:۱]

ثنائیہ فرقہ کی سلف بیزاری عبدالعزیز سیکرٹری جمعیت اہلحدیث ہند کی زبانی سنئے، وہ لکھتے ہیں:

''آج اس (جماعت اہلحدیث) میں ایک ٹولی مولوی ثناء اللہ صاحب کے وجود مبارک سے ایسی پیدا ہوگئی جس نے تہیہ کرلیا ہے کہ محدثین کرام کی محنتوں پر پانی پھیر دیا جائے اور صفاتِ باری تعالیٰ، معجزات انبیاء کرام اور ایسے ہی دوسرے مسائل میں ابو مسلم معتزلی اور اس کے دوسرے بھائیوں کی تاویلات کو قرآن وحدیث میں رائج کردیا جائے۔'' [فتنۂ ثنائیہ، ص:۲، مشمولہ رسائل اہلحدیث، ج:۱]

عبداللہ روپڑی صاحب غیر مقلد، امرتسری صاحب کی سلف بیزاری کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ اقوالِ سلف کی پرواہ نہیں کرتے۔ دیکھیے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں اور دیگر کئی رسائل میں اس نے کس طرح سلف کی مخالفت کی ہے۔ ہم اس کی چند مثالیں نقل کیے دیتے ہیں۔''

[فتاویٰ اہلحدیث، ج:۱، ص:۷۵]

امرتسری صاحب کی سلف بیزاری کو غیر مقلدین کی کتاب ''الاربعین'' میں نسبۃً زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ شائقین اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ البتہ بطورِ نمونہ ایک حوالہ ہم بھی نقل کردیتے ہیں۔

محمد حسین بٹالوی صاحب، امرتسری صاحب کی تفسیر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''توافق سنت صریحہ وآثار سلفیہ صحیحہ جو تفسیر کے لیے ایک لازمی امر ہے،اس میں یکسر مفقود ہے۔''

[الاربعین،ص:۴۲،مشمولہ رسائل اہلحدیث،ج:۱]

حافظ محمد سعید صاحب غیر مقلد نے لکھا:

''دوسرے (غیر مقلد گروہ، ناقل) نے تقلیدی زنجیروں کو توڑا اور درِ اجتہاد کو اس قدر کشادہ کر دیا کہ وہ منہج سلف سے ہٹ کر الحاد کی دہلیز تک جا پہنچا، مگر تکلفاً قرآن وحدیث کا لاحقہ ساتھ لگائے رکھا۔''

[پیش لفظ: مختصر صحیح بخاری، ص:۵۵]

۱۴۳ علی زئی صاحب، بٹالوی صاحب کی عبارت کو ''اہلحدیث'' کے علاوہ کسی اور پر محمول کر رہے ہیں، جبکہ خود بٹالوی صاحب نے اپنے اہل حدیث کو مخاطب بنا کر وہ عبارت تحریر کی ہے۔آپ اس عبارت کا ابتدائی حصہ پڑھیے!

''جو شخص سچا اہلحدیث رہنا چاہتا ہے وہ اس نوٹ کو ملاحظہ کرے......امام شافعی اور حافظ ابن القیم کے یہ اقوال فرقہ اہلحدیث کے ان جہلاء اور بعض علماء پیروانِ خواہش جہلاء کے لیے ایک عبرت خیز وہدایت انگیز تازیانہ ہے جو لفظِ تقلید ومقلد کے نام سے چونک اٹھتے ہیں اور یہ الفاظ سنتے ہی ایسے چڑتے اور جلتے ہیں جیسے دیا ہتی سکھ بانگ سننے سے یا متعصب ہندو کلمہ پڑھنے سے۔'' اشاعۃ السنۃ، ج:۲۳،ص:۱۲۶]

اس صریح عبارت کے ہوتے ہوئے علی زئی صاحب کی سینہ زوری کی طرف کون کان دھرے گا؟

۱۴۴ ''صحیح العقیدہ اہلحدیث سنی، سلفی، اثری، متبعینِ کتاب وسنت'' کہہ کر علی زئی صاحب اپنی جماعت مراد لے رہے ہیں، حالانکہ ان کا گروہ ان صفات کا حامل ہرگز نہیں۔اگر کسی کو ہماری اس بات سے اختلاف ہے تو وہ ہمیں چیلنج کرے، ہم خود غیر مقلدین کی اعترافی عبارتوں سے طویل ترین بحث کریں گے کہ وہ نہ صحیح العقیدہ ہیں، نہ سلفی، نہ اثری اور نہ ہی کتاب وسنت کے متبعین۔اور اس پر بقدر ضرورت کچھ حوالے ہماری کتاب میں متفرق مقام پر گزر چکے ہیں اور مزید آئندہ بھی ہم درج کریں گے۔ان شاءاللہ

۱۴۵ بٹالوی صاحب کی عبارت کا تعلق اسی طبقہ سے ہی ہے جسے خود انھوں نے انگریز سے ''اہلحدیث'' نام الاٹ کرا کے دیا ہے۔اور لفظ ''اہل حدیث'' کی صراحت ان کی عبارتوں میں موجود ہے، دیکھیے حاشیہ نمبر۱۴۳۔ (جاری ہے۔۔۔)

تعارف وتبصرہ   حمزہ احسانی

مجلّہ ''الفتحیہ'' کے سات شماروں پہ ایک نظر

حضرت مولانا مفتی رب نواز حفظہ اللہ کے نام سے قارئین صفدر بخوابی واقف ہیں۔حضرت مفتی صاحب نہ صرف مجلّہ صفدر کے مستقل مضمون نگار ہیں بلکہ دوماہی ''تسکین الصدور''، ماہنامہ ''پیغام حق''میں بھی اُن کے مضامین تسلسل سے شائع ہوتے اور بہت دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔گزشتہ سال سے وہ جامعہ فتحیہ احمد پور شرقیہ کے ترجمان ماہنامہ ''الفتحیہ'' کے مدیر بھی ہیں۔کچھ عرصہ قبل اُن کی خدمت میں حاضری ہوئی تو انھوں نے الفتحیہ کے پہلے سات شمارے عنایت فرمائے۔موقع ملنے پر اُن کا مطالعہ کیا تو دلی خوشی ہوئی۔ماشاء اللہ اُن کا ماہنامہ ابتدا ہی سے بہت عمدہ مواد اور خوبصورت ودلچسپ اصلاحی مضامین کا حامل ہے۔بچوں اور مستورات کے لیے بھی مستقل سلسلے ہیں۔فہم قرآن اور بالخصوص فقہ الحدیث کے نام سے فہم حدیث کے مضامین رسالے کے ماتھے کا جھومر ہیں۔عوام الناس کی اصلاح ومفید علمی معلومات کے لیے اہم مضامین اس کا حصہ ہوتے ہیں۔اکابر اہلِ سنت کے جامع اور دلکش تعارفی مضامین قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔مختصر پر اثر اور اقوال زریں کے نام سے بیسیوں بلکہ شاید سیکڑوں موتی ایک ہی شمارے میں بکھرے ہوئے ہوتے ہیں جن کو چننے سے نہ طبیعت اُکتاتی ہے اور نہ دماغ تھکتا ہے۔رسالہ ابتدا سے ''حُسن باطنی'' کا بھرپور نمونہ تو تھا ہی، رفتہ رفتہ ''حُسنِ ظاہری'' سے بھی مالا مال ہوتا جا رہا ہے۔ماشاء اللہ۔خواہش مند حضرات درجِ ذیل نمبر پر رابطہ کر کے منگوا سکتے ہیں۔(0307-4034570)

''الفتحیہ'' کے مطالعہ کے دوران بندہ اپنے تاثرات سے بذریعہ موبائل پیغام مفتی رب نواز صاحب کو آگاہ کرتا رہا۔انھوں نے بندہ کے بعض تاثرات نوٹ کر کے ''الفتحیہ''میں شائع کر دیئے۔انھی تاثرات کو معمولی ترمیم کے ساتھ قارئینِ صفدر کے لیے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

☆......السلام علیکم،مزاج شریف؟ الفتحیہ کے (۱تا۷) شمارے دیکھ کر جی خوش ہوگیا، بالکل بھی توقع نہیں تھی کہ اتنا خوب صورت رسالہ ہوگا، ابھی سرسری دیکھا ہے۔تفصیلی دیکھ کر کچھ عرض کروں گا، ان شاء اللہ

☆......آج (۱۶شعبان) ''الفتحیہ'' کے پہلے دو شمارے بالاستیعاب پڑھے، تیسرا شمارہ شروع کر رکھا ہے۔بہت دل خوش ہو رہا ہے۔چند چیزیں نوٹ کر رہا ہوں، آگاہ کر دوں گا، ان شاء اللہ۔

☆......چار شمارے پڑھ چکا ہوں۔ اشتہارات کی تعداد تدریجا کم ہو رہی ہے جو کہ خوش آئند نہیں۔ ضدی بچہ، ملاوٹ، پیر عبدالوہابؒ، علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین، تبلیغی جماعت مشاہیر کی نظر میں، ''انگریزی زبان اور ہماری غلامانہ ذہنیت'' مضامین خاص طور پر ''فقہ الحدیث'' بہت ہی پسند آیا۔ اس کی خوبی آخر میں نمبر وار درج نکات ہیں۔ ''فقہ الحدیث'' آپ ہر ماہ مجلّہ ''صفدر'' کے لیے بھی بھیج دیا کریں تو نوازش ہوگی۔

☆......ہر صفحہ پر ایک سطر کی مفید بات، جابجا اقوال زریں سے بغیر اکتاہٹ کے بہت کچھ حاصل ہوا۔

☆......حمد و نعت اور نظم کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

☆......طالبات کے نام لکھنے کی بجائے ''بنت فلاں'' لکھ کر بہت اچھا کیا۔ بزرگوں کا یہی طریق دیکھا ہے۔

☆......شمارہ نمبر ۵ مکمل ہوا۔ ٹائٹل پر اہم عنوانات اچھے لگے، دو کالم بنانے سے صفائی اور خوب صورتی بھی آئی۔ بعض عربی عبارات کا رسم الخط عربی نہیں۔

☆......''ویلنٹائن ڈے'' تاخیر سے چھپا جبکہ ''اپریل فول'' برموقع ہے، ''مثالی پڑوسی'' اور ''دو الگ الگ باتیں'' مضمون پسند آئے۔ مستقل سلسلے بھی عمدہ ہیں، پرنٹنگ بھی پہلے سے بہتر ہے۔

☆......شمارہ نمبر ۶ کافی پڑھ چکا ہوں۔ سب ٹائٹل صاف ستھرا ہے۔ الجھن نہیں ہوتی۔

☆......شمارہ نمبر ۶ مکمل ہوا۔ صحابہ کرامؓ کا تذکرۂ خیر بہت دیر سے شروع ہوا لیکن دیر آید درست آید کا مصداق ہے۔ ''مثالی پردہ''، ''ایک ملاقات و ایک نصیحت'' مضمون پسند آئے۔ ''چور پکڑا گیا'' مضمون دلچسپ تھا اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دام ظلہ کی کتابوں سے نقل شدہ دونوں پیراگراف (۱۔ درختوں کی رنگا رنگی۔ ۲۔ آب دوز کشتی) معلومات افزا ہیں۔ پرنٹنگ صاف ستھری ہے۔

☆......شمارہ نمبر ۷ پڑھا۔ مستقل سلسلے تبلیغی جماعت، علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین، مدنیہ کا فیض، تزکیۂ نفس اور خاص طور پہ حضرت مولانا پیر عبدالوہاب شاہ صاحبؒ بہت پسند آئے۔ بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھے۔

☆......صفحہ کے اوپر نیچے دونوں جانب خوب صورتی اور صفائی سے لکھے اقوال زریں بہت پسند آئے۔

☆......غیبت سے بچنے والی مثالی شخصیات، چہرہ کا پردہ، امتحان میں کامیابی کے اصول، ختم نبوت زندہ باد اور حاصل مطالعہ پسند آئے۔ صفحہ ۱۴ پہ ''حضرت حسین احمد مدنی'' لکھا ہے۔ نہ صاحب نہ دعائیہ کلمات نہ شروع میں کوئی لقب۔

☆......بزم شعیب کی وجہ تسمیہ، 'دنیا کے گرد سفر' اور 'قرطبہ و اشبیلیہ مباحثہ' بھی خوب ہے۔

☆......اشتہارات کم ہیں مزید کی کوشش کی جائے۔

☆......☆......☆......☆